

اقوال العاقب فی القربى الذی لیس فی حیاتہ فی

فتح باب ثلث پیرے دود ختم دور مراثی پاکھوں سلام

فلا یأخذه فی موت کاتجانی

العاقب^{ماہنامہ} لاہور

فولقمہ ۱۴۳۲ھ // اکتوبر ۲۰۱۱ء

شیخ الحدیث علامہ خادم حسین رضوی

لاہور



نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں

اکاریم مدیر

یا رسول اللہ ﷺ آپ کے چاہنے والوں کی خیر

یکم اکتوبر 2011ء تاریخ کا ایسا سیاہ ترین دن ہے جس میں ایک عاشق رسول ﷺ کو اس وجہ سے ملکی انگریزی قانون کے تحت دوسرے مزائے موت کی بھیجٹ چڑھایا گیا کہ اس نے ایک شاتم رسول کو واصل فی النار کیوں کیا تھا؟ اس عاشق رسول کا جرم یہ تھا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی ناموس و حرمت کے تحفظ کے لیے بنائے گئے قانون کے مخالفین کا راستہ کیوں روکا تھا؟ اس مرد میدان نے یہود و نصاریٰ اور قادیانیوں کی سازش کے آگے دیوار کیوں کھڑی کر دی تھی؟

4 جنوری 2011ء کو راولپنڈی کے رہائشی 'عاشق خیر الوری' حافظ ناموس رسالت ﷺ 'شیر اسلام' غازی ملت ملک ممتاز حسین قادری نے قرآن و سنت کو مذاق بنانے والے 'شاتم رسول سابق گورنر پنجاب' کے ناپاک وجود سے اس دھرتی کو پاک کیا تو پولیس نے فوراً اس شیر اسلام کو گرفتار کر لیا۔

شروع میں تو حکومتی ذمہ داران نے پاکستانی مسلمانوں کی روایتی بے جسی کے سبب یہی اندازہ کر رکھا تھا کہ غازی ممتاز حسین قادری کو 'بستہ ب' کا مجرم بنا کر رکھا جائے گا لیکن پہلی پیشی کے موقع پر جب غازی اسلام کو اڈیالہ جیل سے انسداد و ہشت گردی کی عدالت میں لایا گیا تو اس وقت وکلاء و محام کی طرف سے جس انداز سے اس شیر اسلام پر گھل پاشی ہوئی اس نے بڑوں بڑوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اس موقع پر غازی ممتاز قادری کے نورانی چہرے پر کمال درجہ کا اطمینان و سرور تھا۔ غازی صاحب نے اس گھل پاشی کو

﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم﴾ (ایک جھوٹے بیان کا)

اللہ رب العزت کی طرف سے انعام سمجھتے ہوئے پھول پھینکنے والوں کی طرف دیکھا اور پھر آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اگلے ہی لمحہ میں نضام نعرہ بٹے تکبیر و رسالت، گستاخ رسول کی ایک ہی سزا سرتن سے جہاد سرتن سے جہاد اور ناموس رسالت پر جان بھی قربان ہے سے گونج اٹھی۔

حکومت نے اس ابتدائی ہفت کو مٹانے کی خاطر سب سے پہلا حکم یہ جاری کیا کہ اگلی مرتبہ سے اڈیالہ جیل میں ہی انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت میں غازی صاحب کا کیس ٹرائل ہوگا۔ چنانچہ اس کیس کے حوالے سے کل 28 مرتبہ پیشی ہوئی اور یکم اکتوبر کو اس حوالے سے آخری پیشی تھی۔

یکم اکتوبر 2011ء سے قبل کی سماعت میں وکلاء صفائی راجہ محمد طارق وحمیال اور راجہ شجاع الرحمن کے دلائل اور بحث مکمل ہوئی تھی جبکہ وکیل استغاثہ سیف الملوک نے ابھی بحث کرنا تھی مگر فریقین کے وکلاء پہنچنے سے قبل ہی دہشت گردی کی خصوصی عدالت نمبر 2 کے نام نہاد جج پرویز علی شاہ نے اپنا فیصلہ سنایا۔

وکلاء صفائی نے اس حوالے سے جب جیل حکام سے رابطہ کیا تو انہیں بتایا گیا کہ فیصلہ بعد میں سنایا جائے گا۔ ستم ظریفی کی انتہاء کے اس موقع پر غازی صاحب کے وکلاء کی طرح ان کے اہل خانہ کو بھی بے خبر رکھا گیا۔

اخباری اطلاعات کے مطابق غازی ”ممتاز قادری کو تھکڑی پہنا کر جب خصوصی عدالت میں لایا گیا تو جج نے پوچھا ممتاز قادری آپ ہیں؟ اثبات میں جواب ملنے پر اس نے کہا آپ نے جو کام کیا ہے وہ اسلام کی رو سے ٹھیک ہے مگر ملکی قانون میں آپ کو تعزیرات پاکستان کی دفعہ 302 کے تحت ایک بار سزائے موت اور ایک لاکھ روپے جرمانہ اور عدم ادائیگی کی صورت میں چھ ماہ کی قید سنائی جاتی ہے جبکہ دہشت گردی ایکٹ 7ATA کے تحت بھی ایک بار سزائے موت اور ایک لاکھ روپے جرمانہ اور عدم ادائیگی کی صورت میں چھ ماہ کی قید سنائی جاتی ہے۔ جرمانے کی یہ رقم مقتول کے ورثاء کو دی جائے گی..... جج نے پانچ صفحات پر مشتمل فیصلہ غازی ممتاز قادری کو دیا جس میں چودہ گواہوں کی شہادتوں کی روشنی میں سزا دی گئی اور کہا گیا ہے کہ ملزم نے کہا ہے کہ مرتد کو مارا ہے، قتل نہیں کیا۔ اس طرح اس نے اعتراف جرم کیا ہے۔ فیصلے

کے خلاف ممتاز قادری سات روز کے اندر ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر سکتے ہیں۔“

جیل ذرائع کے مطابق ”یکم اکتوبر کی پیشی سے قبل غازی صاحب نے حسب معمول نماز فجر ادا کی اور پھر تلاوت قرآن کریم اور ذکر و اذکار میں مشغول رہے بعد ازاں نعت شریف بھی وجدانی کیفیت میں پڑھ رہے تھے۔ شروع میں غازی صاحب کے کئی دوست احباب نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے بیان کی شکل موڑ لیں یا اسے اصل واقعے کے برعکس کوئی اور صورت دے دیں تو غازی صاحب کا ایک ہی جواب تھا کہ میں ایک لفظ بھی تبدیل نہیں کروں گا چاہے مجھے پھانسی کی سزا ہی کیوں نہ ہو جائے۔ جیل کے تمام قیدی غازی صاحب کے ساتھ نہایت عزت و احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں اور اکثر غازی صاحب سے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ جیل کا عملہ سپرینڈنٹ سے لے کر خا کروں تک ہر ایک ملک ممتاز قادری کو ”غازی“ مانتا ہے لیکن نوکری کی وجہ سے اقرار عام سے ڈرتا ہے۔ فیصلے کے بعد بھی غازی صاحب کو جیل کی سابقہ کوٹھری میں رکھا گیا ہے۔ واللہ فیصلے کے وقت اور بعد میں بھی غازی صاحب کے چہرے پر ایسی اطمینانیت اور کیف و سرور کی جھلک ہے کہ کوشش کے باوجود بتانے سے قاصر ہوں مگر نہ بڑے بڑے نامی گرامی پہلوان سزائے موت کا سن کر سیکے کی کیفیت میں چلے جاتے ہیں۔ اس فیصلے کے بعد ہم نے غازی صاحب کو پریشان ہوتے تو نہیں لیکن اپنے اہل خانہ اور محلے کو حوصلہ دیتے ضرور دیکھا ہے۔ اب غازی صاحب نے جیل میں اپنا کھانا بھی خود ہی بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہاں! جیل میں سیل کی باقاعدہ صفائی نہ ہونے کی وجہ سے وہاں چمچروں کی بہتات ہے۔ اسی وجہ سے غازی صاحب بھی چمچروں کے کانٹے کی وجہ سے پچھلے دنوں متاثر ہوئے تھے۔“

نام نہاد جج کی فیصلہ سنانے میں پھرتی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ غازی صاحب کے اہل خانہ اور وکلاء کو ساڑھے دس بجے بلایا گیا تھا لیکن وہ صبح ساڑھے نو بجے جب اڈیالہ جیل پہنچے تو پتہ چلا کہ موصوف آٹھ بجے آکر پونے نو بجے تک مقدمہ بننا کر واپس بھی جا چکے ہیں اور اہل خانہ کو خود غازی ممتاز قادری نے اس فیصلے کے متعلق بتایا۔

غازی اسلام نے اپنے والد محترم کو خود مبارک باد دی اور فرمایا اباجی! آپ بھی مجھے مبارک باد دیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے حضور ﷺ کی غلامی میں قبول فرمائے۔ اس موقع پر غازی صاحب کے والد ملک محمد بشیر نے کہا اگر میرا بیٹا زندہ رہا تو غازی و مگر نہ شہید کہلائے گا۔

غازی صاحب کے بھائی دلپزیر اعوان قادری کا کہنا ہے کہ فیصلہ آنے پر ممتاز قادری بہت خوش ہیں۔ جب ہم جیل میں ان سے ملاقات کے لیے گئے تو ممتاز بھائی نے کہا آپ لوگ منٹھائی کیوں نہیں لائے، مگر جا کر پورے محلے میں منٹھائی تقسیم کروانا۔ میری زندگی کا مقصد مجھے حاصل ہو گیا ہے۔ یہ عدالتی فیصلہ بہت چھوٹا ہے اصل فیصلہ تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ میری جان کا نذرانہ قبول فرمائے۔ یہ تو ایک زندگی ہے اگر سو بار بھی زندگی ملتی تو میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حرمت کے لیے اسے قربان کرنے کو تیار ہوں۔

غازی صاحب کے بھائی کے بقول غازی صاحب کا فرمانا ہے کہ مجھے عدالتی فیصلے سے تو کوئی سروکار نہیں ہے تاہم اس بات کی حیرت ضرور ہے کہ فاضل عدالت نے میرے وکلاء کا انتظار کیوں نہیں کیا؟ فیصلہ بھی یوں سنایا ہے کہ مجھے اس کی سمجھ ہی نہیں آئی۔ (نام نہاد) جج جب اپنی سید پر سے اٹھ گئے تو میں نے ایک عدالتی اہلکار سے پوچھا کہ جج نے کیا فیصلہ سنایا ہے؟ مجھے تو کچھ سنائی نہیں دیا تو اس عدالتی اہلکار نے بتایا کہ دوبار سزائے موت اور دو لاکھ روپے جرمانے کا حکم سنایا گیا ہے۔

ملک دلپزیر اعوان صاحب نے مزید بتایا کہ اس کے بعد اڈیالہ جیل میں ہی محفل میلاد کا انعقاد کیا گیا جس میں سزائے موت ملنے کے بعد از خود غازی ممتاز قادری نے سورۃ الکواثر کی تلاوت کی اور اس کے بعد نعت شریف

یا رسول اللہ تیرے چاہنے والوں کی خیر

سب غلاموں کا بھلا ہو سب کریں طیبہ کی سیر

انتہائی سوز و گداز اور خوش الحانی سے پڑھی۔ آج تو غازی ممتاز قادری کا 10 ماہ کا بیٹا محمد علی بھی نہیں رویا۔ وہ

سارا دن خوش و غم رہا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بتا دیا ہے کہ تیرے باپ نے دنیا میں بڑا کام کیا ہے اور ہم نے اس کی حاضری قبول کر لی ہے۔

غازی صاحب کی اہلیہ نے بھی غازی صاحب کی زبانی ہی ساری عدالتی کارروائی صبر و تحمل کے ساتھ سنی اور وہ بھی راضی برضائے الہی ہیں۔ انہوں نے کہا ہمیں سزا سے کوئی خوف ہے نہ پشیمانی مگر اتنے بڑے کیس کا فیصلہ جس انداز میں سنایا گیا ہے اس طرز عمل پر ہمیں شدید تحفظات ہیں۔ اگر نبی کریم ﷺ کی شان اقدس اسلام اور پاکستان کے لیے مجھے اپنے بیٹے محمد علی کی قربانی بھی دینی پڑی تو ہنسی خوشی یہ کر گزروں گی۔

غازی صاحب کے وکیل راجہ شجاع الرحمن کے بقول ”یکم اکتوبر استغاثہ کی بحث کے لیے تاریخ مقرر تھی لیکن فاضل عدالت نے فیصلہ سنا دیا ہے۔ وکلاء صفائی نے TATA کی دفعہ حذف کرنے کے لیے درخواست تیار کی ہوئی تھی جو آج عدالت میں دائر کی جانا تھی لیکن عدالت کے جج نے وکلاء صفائی کی عدم موجودگی میں عدالت لگا کر اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔ ہمیں استغاثہ کی بحث بھی سننے نہیں دی گئی۔“

قارئین کرام! یہ تمام تر تفصیلات پڑھ کر آپ خود بخوبی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس کیس کا فیصلہ کس نوعیت کا ہوگا؟ ملک بھر میں اس وقت 35 ہزار سے زائد ایسے قتل کے ملزمان موجود ہیں جن کے کیس کا فیصلہ سالہا سال سے ہونا باقی ہے مگر غازی اسلام کے کیس کو 10،9 ماہ کے قلیل عرصہ کی 28 پیشیوں میں ہی غنا کر ایک تنازعہ اور غیر شرعی فیصلہ دینے سے خود عدلیہ کا کردار مشکوک ہو گیا ہے۔ جاری کیس کو یکدم روک کر فریقین کے وکلاء کی عدم موجودگی میں فیصلہ کر دینا کہاں کا انصاف ہے؟ اگرچہ ملکی قانون کے تحت فریقین کے وکلاء کی عدم موجودگی میں فیصلہ سنانے میں قباحت نہیں لیکن معاشرتی طور پر نا پسندیدہ ضرور ہے۔

اخباری اطلاعات کے مطابق ایک طرف نام نہاد جج خود اقرار کر رہا ہے کہ ”آپ نے جو کام کیا ہے وہ اسلام کی رُو سے ٹھیک ہے مگر ملکی قانون میں آپ کو دفعہ 302 کے تحت ایک بار سزائے موت اور ایک لاکھ جرمانہ.....“ جب جج کے بقول اسلام کی رُو سے غازی صاحب کا فعل یعنی شیطان تاثیر کو قتل کرنا ٹھیک ہے تو پھر انہیں سزا کیوں دی گئی ہے؟ کیا نام نہاد جج کو معلوم نہیں کہ آئین کے ابتدائی بنیادی نکات میں ہے کہ

ملک میں قرآن و سنت پریم لاء ہے اور اس کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ بھی ہے کہ گستاخ رسول کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔

جب کوئی گستاخی کا مرتکب ہوا اور مسلسل وہی طرز عمل دہرائے اور ملک کی اعلیٰ عدالتوں کو اس کا عہدہ دیکھ کر سانپ سونگھ چکا ہو اور وہ کوئی بھی ایکشن لینے سے عاری ہوں تو ہمارا پرویز علی شاہ سے سوال ہے کہ ایسی صورت میں عاشقانِ مصطفیٰ کیا کریں؟ کیا گستاخی کرنے والے کا منہ دیکھتے رہیں یا اسے لگام دیں؟؟ کیا پاکستانی عدالتوں کے منصفین یہ چاہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے بارے میں کھلی توہین ہونے پر پاکستان کے غیور عوام بھی ان کی طرح گو گئے، بہرے اور اندھے بن جائیں۔ آئے روز اللہ تبارک و تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑایا جاتا ہے، رسول اللہ کی توہین کی جاتی ہے، قرآن کریم پر عجیب و غریب حملے کیے جاتے ہیں لیکن اُس وقت عوام کو قانونی دائرے میں قابو رکھنے والے منصفین کہاں ہوتے ہیں؟ ان کے کانوں پر بھوں کیوں نہیں ریگتی؟ ان کا ایمان حرارت کیوں نہیں کھاتا؟ ان کا عشق انہیں کیوں نہیں تڑپاتا؟؟ کیا ان کے لیے رسول اللہ کی محبت کے کوئی تقاضے نہیں؟ قرآن و سنت کی حفاظت کے کوئی تقاضے نہیں؟؟

کیا وجہ ہے کہ اس ملک میں اسلام کے خلاف بولنے والوں کو تو ہر طرح کی آزادی ہے لیکن اسلام کے دفاع کے لیے بولنے کی کسی کو اجازت نہیں۔ شیخ سعدی نے شاید اسی موقع کے لیے فرمایا تھا کہ میں اس شہر والوں سے حیرت زدہ ہوں کہ انہوں نے کتوں کو تو کھلا چھوڑ دیا ہے لیکن پتھروں کو باندھ دیا ہے۔ آج پاکستان میں بھی شیخ سعدی کی یہی منظر کشی سامنے آرہی ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے اس ملک میں اسلام اور اہل اسلام پر بھونکنے والوں کو تو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے لیکن انہیں پٹا ڈالنے والوں کے ہاتھ باندھ کر پس و پور زندان کر دیا گیا ہے۔

مال روڈ لاہور پر صدر پاکستان کی صدارت کو تین سال پورے ہونے پر پابندی کے باوجود ریلی نکالی جائے، بینرز اویزاں کیے جائیں تو کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن تحفظ ناموس رسالت کے لیے ریلی نکالی جائے یا احتجاج کیا جائے تو سب کو دفعہ 144 کا نفاذ یاد آ جاتا ہے؟ دفعہ 144 کے نفاذ کے باوجود اگر صدر

کے لیے ریلی نکالنا دفعہ 144 کی توہین نہیں تو اس ہستی کی عزت و ناموس کے لیے ریلی نکالنا ممنوع کیوں ہے جن کے نعلین پاک کی گرد کے برابر بھی پوری کائنات کی وزارت و صدارت نہیں؟؟

غازی صاحب کے خلاف اس فیصلے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہم آج بھی انگریز کے دور میں اس دھرتی پر رہ رہے ہیں کیونکہ اُس دور میں بھی راجپال جیسے گستاخ کے لیے تو قانون مکمل آزادی دیتا تھا لیکن اس قانون کے دامن میں غازی علم الدین شہید ایسے شیر کی کوئی جگہ نہیں تھی اور آج بھی جس قانون و تعزیرات کی جھڑبندیوں میں ہمیں قید کیا جاتا ہے اس میں مسلمان تاثیر اور مسلمان رشدی تو ہیر و اور آزاد ہیں لیکن غازی ممتاز حسین قادری ان کے بقول ”محرم“ اور سزا کا مستحق ہے۔

آج اگر اقبال موجود ہوتے تو ضرور غازی ممتاز قادری کے متعلق کہہ رہے ہوتے کہ ”اسیں تے گلن اسی کردے رہ گئے تے احواناں دامنڈ بازی لے گیا“۔ بانی پاکستان موجود ہوتے تو وہ غازی ممتاز قادری کے دفاع کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے لیکن ان شاخوں پر اب کر گس برا جمان ہیں۔

قارئین کرام! اس پہلو کو بھی ضرور مد نظر رکھیں کہ دو دن قبل اسلام آباد میں اکثر سیاسی و مذہبی پارٹیوں نے جمع ہو کر امریکہ مخالف اتحاد کا مظاہرہ کیا تھا اور دینی جماعتیں اس میدان میں کافی سرگرم حصہ لے رہی تھیں اور عملی طور پر ملکی دفاع کے لیے میدان میں آنے کی تیاریاں کر چکی تھیں۔ لیکن ٹھیک دو دن بعد اس سارے عمل کو ہائی جیک کرتے ہوئے دینی جماعتوں کا رخ امریکہ مخالف مظاہروں سے موڑ کر اس فیصلے کی طرف کر دیا گیا ہے اور غازی ممتاز قادری کے خلاف ایسا فیصلہ کروایا گیا ہے جس سے پوری قوم کی سمت تبدیل ہو کر رہ گئی ہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ حکمرانوں نے اس کا نفرت سے پیدا ہونے والی امریکی ناراضگی کو ختم کرنے کے لیے عدلیہ کا کندھا استعمال کیا اور بہت سی کمزوریوں پر مشتمل ایک متنازع ترین غیر شرعی فیصلہ صادر کروایا۔ اگر عدالت فیصلے میں شرعی پوزیشن، واقعات و حالات، قوم کے خیالات، جذبات، روایات اور رد عمل کو مد نظر رکھتی تو ہرگز ایسا فیصلہ نہ سناتی۔ خود سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی بھی ایک کیس میں یہ رولنگ ریکارڈ کا

حصہ ہے کہ ہم اپنے فیصلوں میں عوام کی اکثریت کے جذبات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

بہر کیف اس فیصلہ کے آنے کے بعد حکمرانوں کو اپنا مقصود حاصل ہوتا نظر آ رہا ہے کہ امریکی میڈیا نے اس فیصلے پر حکومت خصوصاً صدر زرداری کی خوب تعریف کی ہے۔ امریکی اخبار نیویارک ٹائمز نے سزائے موت کے فیصلہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ طرم کی طرف سے اعلیٰ عدلیہ میں اپیل دائر کرنا پاکستانی عدلیہ کے لیے ایک امتحان ہوگا۔ صدر زرداری نے طرم کو سزا دلوانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اس فیصلے کے بعد پنجاب میں برسر اقتدار ملک کی دوسری بڑی سیاسی پارٹی کے رہنما (جو خود کو ”قائد اعظم جانی“ گمان کرتے ہیں) نے انتہائی بڑا سرا کر دار ادا کرتے ہوئے بحرمانہ خاموشی اختیار کی اور پاکستانی عوام کی توجہ اس فیصلے سے ہٹا کر بجلی کی لوڈ شیڈنگ کی طرف پھیر کر مغربی آقاؤں کی نمک حلائی کی۔ موصوف کو شاید معلوم نہیں کہ مومن بجلی پانی، گیس کی لوڈ شیڈنگ کے بغیر تو گزارہ کر سکتا ہے لیکن عشق مصطفیٰ ﷺ کے بغیر ایک لمحہ جینے کا تصور نہیں کر سکتا۔ مومن اگر جسم کی مانند ہے تو عشق مصطفیٰ ﷺ اس جسم کی روح ہے۔

ہمارے بعض حضرات غالباً عوام کو سمجھانے کے لیے یہ کہہ رہے ہیں کہ غازی صاحب کو رہا کیا جائے کیونکہ امریکی ایجنٹ ریمنڈ بھی رہا کیا گیا تھا۔ ہماری ان سے گزارش ہے کہ عوام کو سمجھانے کے لیے بھی ایسا تقابل مت فرمائیں جو خلاف واقع ہو۔ ریمنڈ نے تین قتل کیے یا ایک وہ ناحق قتل تھے جبکہ غازی صاحب نے ایک گستاخ رسول کو قتل کیا تھا اور وہ قتل حق تھا۔ تحفظ ناموس رسالت کے لیے قتل کا حکم الگ ہے اور اپنی دنیاوی خواہشات کے تحت کسی کا قتل الگ ہے۔ شرعاً تا ثیر کے قتل پر کوئی دیت نہیں ہے۔

دوسری بات یہاں قابل توجہ ہے کہ امریکی جاسوس ریمنڈ ڈیوس کو حکومت اور عدلیہ نے چھوڑنا تھا تو انہوں نے شرعی قانون کا سہارا لیتے ہوئے دیت کے ذریعے کیس ہی ختم کر دیا لیکن جب معاملہ عاشق رسول ﷺ غازی ملک ممتاز حسین قادری کا پیش آیا تو عدلیہ نے شرعی قانون کا سہارا نہیں لیا اور جج کے اس اقرار کے باوجود کہ غازی صاحب کا فعل شرعی طور پر صحیح ہے مکی قانون کو مقدم رکھ کر فیصلہ کیا گیا، آخر کیوں؟ غیر مکی جاسوس کے لیے تو شرعی قانون کا سہارا اور عاشق رسول ﷺ کے لیے برطانوی عہد کے قانون کے

مطابق فیصلہ آخر کیوں؟؟ کیا اسلام کے نام پر یہ ملک پاکستان اس لیے حاصل کیا گیا تھا کہ یہاں شرعی قوانین کو پس پشت ڈال دیا جائے اور انسانی قانون کو مقدم کیا جائے؟

تیسری بات یہ ہے کہ غازی صاحب کو دو مرتبہ موت کی سزا سنائی گئی ہے۔ ان میں سے ایک سزائے موت دفعہ 302 کے تحت اور دوسری سزائے موت 7ATA کے تحت ہے۔ دفعہ 302 کا تعلق قتل سے اور 7ATA کا دہشت گردی یا فساد فی الارض سے ہے۔ ہم یہاں 7ATA یعنی دہشت گردی کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔ ریمنڈ ڈیوس نے دن دیہاڑے لاہور کی سڑک پر دو بے گناہ لوگوں کا خون بہایا اور تیسرے کو گاڑی تلے کچل کر مار ڈالا۔ اس پر ملک بھر میں شدید اشتعال اور خوف و ہراس پھیل گیا یہاں تک کہ پورے ملک میں ریمنڈ کے خلاف زبردست احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ اس سب کے باوجود ریمنڈ کے خلاف 7ATA یعنی دہشت گردی یا فساد فی الارض کے تحت مقدمہ درج نہیں کیا گیا حتیٰ کہ مقتولین کے ورثاء کے مطالبے پر بھی اس دفعہ کو شامل مقدمہ نہیں کیا گیا۔

دوسری طرف غازی ملک ممتاز حسین قادری نے تو بین رسالت کے مرتکب شیطان تاثیر کو جب اس کے انجام تک پہنچایا تو ملک بھر میں غازی صاحب کے اس جرأت مندانہ قدم کو سراہا گیا یہاں تک کہ ملک بھر میں غازی صاحب کی حمایت میں بھرپور مظاہرے اور ریلیاں ہوئیں۔ لیکن غازی صاحب کے خلاف ایف آئی آر میں دہشت گردی کی دفعہ 7ATA بھی شامل کروادی گئی۔

ریمنڈ کے اقدام قتل پر ملک بھر میں اشتعال پھيلا اور احتجاجی مظاہرے ہوئے جبکہ غازی صاحب کے اقدام قتل پر ملک بھر میں امن و سکون ہوا اور غازی صاحب کی حمایت میں لوگ گھروں سے باہر نکلے۔ اب دہشت گردی کا اقدام کس کا بنتا ہے ریمنڈ کا یا غازی ممتاز کا؟ اور ہماری عدلیہ نے دہشت گردی ایکٹ کے تحت کاروائی کس کے خلاف کی ریمنڈ کے خلاف یا غازی ممتاز قادری کے؟؟ یہ ہے ہماری عدلیہ کا انصاف۔

سچ ہے کہ قانون اندھا ہوتا ہے لیکن یہاں تو معلوم ہوتا ہے قانون پر عمل کروانے والوں کے ساتھ

بھی کچھ یہی معاملہ ہے۔ ریمنڈ کیس میں اگر اس دفعہ کا اندراج نہیں تھا تو متعلقہ جج نے ایف آئی آر درج کرنے والے پولیس افسر سے باز پرس کیوں نہیں کی اور تاثیر کیس میں اگر اس دفعہ کا زبردستی اندراج تھا تو متعلقہ جج نے اس پر انصاف کے تقاضے پورے کیوں نہیں کیے؟؟؟

آخر میں رسول اللہ ﷺ کے ہر نام لیوا سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اپنا محاسبہ کرے کہ دورِ حاضر کے غازی علم الدین یعنی غازی ممتاز حسین قادری کی باوقار رہائی کے لیے اس نے کیا کردار ادا کیا ہے؟ وہ غازی جس نے حراست کے دوران جھڑپوں میں نعت رسول ﷺ پڑھی ”یا رسول اللہ! تیرے چاہنے والوں کی خیر۔“ وہ غازی جس نے جیل کی سلاخوں کے پیچھے در و زبان یہ جملہ بنایا ”یا رسول اللہ! تیرے چاہنے والوں کی خیر۔“ وہ غازی جس نے سزائے موت کا سننے کے باوجود یہی وظیفہ دہرایا ”یا رسول اللہ! تیرے چاہنے والوں کی خیر۔“

اس موقع پر انبیاء کے وارث ہونے کے دعویدار علماء کرام کو اپنا کردار جانچنا چاہیے کہ وہ امام الانبیاء ﷺ کی ناموس کے محافظ کے لیے کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟

سنّتوں کا احیاء کرنے کے دعویداروں کو بھی دعوتِ فکر ہے کہ وہ سوچیں انہوں نے اس محافظ ناموس رسالت کے لیے کیا کردار ادا کیا ہے۔ کیا رسول اللہ کی ناموس کا تحفظ کرنا سنتِ الہیہ نہیں ہے۔ بروئے محشر مدنی آقا ﷺ کو اس وقت کیا منہ دکھائیں گے جب پوچھا جائے گا میری ناموس کے محافظ غازی ممتاز حسین قادری کے لیے تم نے کیا عملی کردار ادا کیا تھا؟ محبوب سبحانی نے پوچھ لیا کہ میرے روحانی بیٹے کو درندوں سے آزاد کروانے کو بھی کیا تم نے سیاسی مسئلہ سمجھ لیا تھا کہ اس کے لیے کچھ نہیں کیا تو کیا جواب دو گے؟؟

پیرانِ عقلم کو بھی سوچنا چاہیے کہ یہ وقت خانقاہوں میں بیٹھنے کا نہیں بلکہ ”نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شیری“ کا ہے۔ جس ہستی کے صدقہ میں ہماری دست بوسی ہوتی ہے ان کی ناموس کے محافظ کی باوقار رہائی کے لیے ہمارا کیا کردار ہے؟

قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند کرنے والوں کو بھی سوچنا چاہیے کہ محافل میں جانے کا تو

ہمیں وقت مل جاتا ہے اور طبیعت بھی اجازت دیتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی ناموس کے تحفظ کے لیے باہر نکلنے کے لیے طبیعت آمادہ کیوں نہیں ہوتی اور عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کے لیے میدانِ عمل میں نکلنے کی ہمت کیوں نہیں ہوتی؟

ان بانیانِ محافل سے بھی التماس ہے وہ سوچیں کہ محفل میں دس دس عمرے کے ٹکٹ رکھ دینا اور لاکھوں روپے محفل پر لگا دینا تو ان کے لیے آسان ہے لیکن عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے محافظین پر دس روپے خرچ کرنا بھی ان کے لیے مشکل ترین کیوں ہے؟

مدارس کو اسلام کا قلعہ کہنے والے مرکز اسلام کی ناموس کے لیے بھرپور انداز میں میدانِ عمل میں آنے سے کیوں کتراتے ہیں؟ مدارس کی بہاریں رسول اللہ ﷺ کے دم قدم سے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کی ناموس محفوظ نہیں تو اہل مدارس کی عزتیں کہاں باقی رہیں گی؟

الغرض غازی ممتاز قادری نے تو اپنا تن ”من“ دھن سب کچھ عملی طور پر رسول اللہ ﷺ کے لیے یوں قربان کر دیا کہ

۔ کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس اک جاں دو جہاں فدا

دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

اب رسول اللہ ﷺ کے چاہنے والوں یعنی عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ سے وقت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ زندگی کے جس شعبے سے بھی تعلق رکھتے ہوں وہاں رہتے ہوئے امت مسلمہ کے خیر خواہ اور ہیر و غازی ممتاز حسین قادری کی باوقار رہائی کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں بروئے کار لائیں اور اس حوالے سے دینی و ملی غیرت و حمیت کا مظاہرہ فرمائیں۔

حکمرانوں نے تو گستاخِ تاثیر کے لیے 14 اگست 2011ء کو ایوارڈ کا اعلان کر کے اپنی فکر و سوچ اور پالیسی کا اعلان کر دیا ہے اب آپ بھی فیصلہ کریں کہ کس کا ساتھ دینا ہے خیر مانگنے والوں کا یا قانون تحفظ ناموس رسالت کو نعوذ باللہ ”کالا قانون“ کہنے والوں اور ان کے حمایتیوں کا۔

حکمران اور برطانوی نظام ہائے عدالت پر کاربند مصنفین اچھی طرح جان لیں کہ یہ فیصلہ پوری امت مسلمہ کی ایمانی غیرت و حمیت جانچنے کے لیے ایک ٹیسٹ کیس اور چیلنج ہے نیز آج سے پون صدی قبل بھی اہل اسلام نے فرنگی سامراج کے دور اقتدار میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف عدالتی فیصلے کو یکسر مسترد کر دیا تھا اور آج بھی اہل اسلام فرنگیوں کے پروردہ حکمرانوں کے دور حکومت میں غازی ممتاز حسین قادری کے خلاف غیر شرعی فیصلے کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں۔

اگر حکمران انسانی خون کے پیاسے ہیں تو ہم اس راہ میں اپنے سر کٹوانے کو غرض سمجھتے ہوئے خون کا آخری قطرہ دینے تک کو تیار ہیں۔ 1953ء میں 10 ہزار مسلمان بھی تحفظ ناموس رسالت ہی کے لیے قربان ہوئے تھے۔ اگر حکمران پیسے کے بھوکے ہیں تو اہل اسلام ان کو ”بھیک“ دینے کو بھی تیار ہیں۔ اہل ایمان کی تو یہی صدا ہے۔

۔ ادھر آ پیارے ہنر آزمائیں

تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

غازی ملت کی باوقار رہائی کا مطالبہ اہل اسلام اپنی رگوں میں خون کے آخری قطرے تک پُر زور طریقے سے کرتے رہیں گے اور ان شاء اللہ اس مطالبے کو عملی جامہ پہنا کر بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سرخرو ہوں گے۔

آمین بجاہ خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

کیا خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

فرقہ طاہریہ پروفیسر یہ کے بانی مہابی پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری لغاتھی، چرب زبانی، ابن الوقتی اور کذب بیانی میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے۔ انہی عناصر راجدہ کی بدولت موصوف اس وقت اپنا ”گورکھ دھندہ“ چلا رہے ہیں۔ موصوف نے کوچہ سیاست میں جب ہر طرف سے ناکامی کا سامنا کیا تو سیاست کو ہمیشہ کے

لیے خیر آباد کہہ کر ایک نئے رنگ ڈھنگ میں عوام کے سامنے پیش ہوئے۔

مُسلمہ بات ہے کہ انسان اپنا ظاہر تو بدل سکتا ہے لیکن باطن بدلنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ خیر آب موصوف ”شیخ الاسلام“ کے نام نہاد ٹائٹیل سے اپنے مشن پر گامزن ہیں۔ ”شیخ الاسلام“ کا جلیل القدر لقب اپنانے پر ہم یہ تو نہیں کہیں گے کہ

۔ کیا پدی کیا پدی کا شور بہ

لیکن اتنا ضرور کہیں گے کسی بھی شخص کے ذاتی کردار و افعال کے حوالے سے جتنا علم اہل خانہ کو ہوتا ہے کسی اور کو نہیں بیچتے موصوف کے علم و عمل کے حوالے سے جتنے اہل وطن اور اہل علم باخبر ہیں کوئی دوسرا نہیں۔ اب ان جاننے والوں میں پروفیسر موصوف کے اساتذہ بھی شامل ہیں اور اکابر بھی۔ مثلاً خلیفہ اعلیٰ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری مدنی، غزالی زماں علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی (استاذ پروفیسر موصوف)، استاذ العلماء علامہ محمد عبدالرشید جھنگوی (استاذ پروفیسر موصوف)، نواسہ اعلیٰ حضرت مولانا مفتی تقدس علی خاں، استاذ الکل علامہ عطاء محمد بندیا لوی، شیخ الحدیث علامہ محمد عبداللہ قصوری، شیخ القرآن مولانا غلام علی اذکار لوی، مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، محسن اہلسنت علامہ محمد عبدالکیم شرف قادری، شیخ الحدیث والتفسیر علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور نبیرہ اعلیٰ حضرت مولانا مفتی محمد اختر رضا خان ازہری، نائب محدث اعظم مولانا مفتی حاجی ابوداؤد محمد صادق رضوی ایسے اساطین علم و عمل نے فرقہ طاہریہ پروفیسر یہ کے بانی کے نظریات باطلہ کا نہ صرف بھرپور رد فرمایا بلکہ اہلسنت و جماعت کو اس سے بچنے کی تلقین کی۔

پروفیسر صاحب کی زندگی پُر شرمندگی کا جس نے بھی مطالعہ کیا ہو اس کے لیے یہ بات ہرگز نئی نہیں ہوگی کہ موصوف کو شروع ہی سے جمہور سے اپنا الگ تھلگ موقف پیش کر کے نمایاں ہونے کی عادت ہے۔ ظاہر ہے جب سب لوگ ایک ہی بات کہہ رہے ہوں تو شخصی طور پر کئی لوگ نمایاں نہیں ہوتے لیکن جب یکدم کوئی الگ مہلجڑی چھوڑ دے اور خود کو جمہور سے الگ کر لے تو تو نا بھی نمایاں ہو ہی جاتا ہے۔ اب

نمایاں ہونے کی شہرت اسے نیک نامی میں ملتی ہو یا بدنامی میں وہ الگ بحث ہے جسے ہم یہاں چھوڑ کر اپنا مدعا بیان کرتے ہیں۔

پروفیسر طاہر القادری کی اسی مجبوری طبع کی بابت جنرل ضیاء الحق کی مجلس شوریٰ کے رکن و جامعہ نعیمیہ لاہور کے بانی مولانا مفتی محمد حسین نعیمی نے ایک پریس کانفرنس میں فرمایا ”کچھ عرصہ پیشتر وہ اور پروفیسر طاہر القادری جناح ہال میں منعقدہ ایک تقریب میں اکٹھے بیٹھے تھے۔ پروفیسر طاہر القادری نے مجھے کہا مفتی صاحب! آج لیڈ (برتری) لے جانے کا موقع ہے۔ میں نے اس کی وضاحت طلب کی تو کہنے لگے اگر آپ عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں مرد کے مساوی قرار دے دیں تو آپ لیڈ (برتری) لے جائیں گے۔

مفتی محمد حسین نعیمی نے مزید کہا کہ پروفیسر طاہر القادری نے انہیں اس موقف کی تائید میں تین کتابوں کے حوالے دیے مگر جب دیکھا تو ان تینوں کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی یہ رائے اس مفہوم میں موجود نہ تھی۔ میں تو اس بنا پر لیڈ نہ لے جا سکا کہ کتاب وسنت کے احکام سے سر تابی کر کے خدا کے غضب کو دعوت دینے کا تحمل نہ ہو سکتا تھا تاہم پروفیسر طاہر القادری لیڈ لے گئے۔“

(روزنامہ وفاقی / امر و زاجنگ لاہور / اجسارت کراچی / 19 اکتوبر 1984ء)

حال ہی میں اسی طرح کا ایک چٹکلا موصوف نے اے آر وائے ون ورلڈ کے انٹرویو میں 25 ستمبر 2011ء کو پیش کیا۔ یہ انٹرویو پی جے میر (پرویز جاوید میر) صدر یونین آف جرنلس لندن لے رہا تھا جس کا تعلق منکرین ختم نبوت یعنی قادیانیوں سے ہے۔

اس مکمل انٹرویو پر تو ہم سر دست تبصرہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں لیکن انٹرویو کے اس حصے پر حقائق ضرور پیش کریں گے جو غازی اسلام ملک ممتاز حسین قادری کے مبارک فعل کے حوالے سے ہے۔ پروفیسر موصوف کی مذہبی زندگی کے حوالے سے کتاب ”خطرہ کی گھنٹی“ اور سیاسی زندگی کے حوالے سے کتاب ”تنازعہ ترین شخصیت“ حق کے متلاشیوں کو دعوت انصاف دی رہی ہیں۔

بہر کیف غازی ممتاز قادری اور گستاخ تاثیر کے حوالے سے پروفیسر موصوف نے کہا۔ ”ہمیں صحیح فیصلے کرنے کے لیے ایماندار اور جرأت مند ہونا ہوگا۔ جس شخص نے“ (تاثیر) کو مارا وہ شخص قاتل ہے۔ اسے قاتل ہونے کی حیثیت سے سزا ملنی چاہئے تھی۔ گورنر تاثیر نے اگر کوئی جملہ ایسا بولا جس پر میں کھٹ (تبصرہ) نہیں کر سکتا یہ چیزیں تحقیق طلب ہوتی ہیں جو گستاخی رسول پر جا کر منتج ہوتا ہے اگر ایسا بولا یہ ثابت ہو جائے تو پھر بھی کسی ایک سولین کو قتل کرنے کی اجازت نہیں، اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اگر وہ لاء (قانون) اپنے ہاتھ میں لے کر قتل کرے گا تو وہ قاتل تصور کیا جائے گا اس کی سزا موت ہے۔

جہاں تک میں نے اسٹینٹ کو پڑھا، دیکھا وہ (تاثیر) اہانت رسول و گستاخی رسول کے ذمے میں نہیں آتا..... اگر وہ آتا بھی ہو تو یہ عدالت کا کام ہے کہ وہ سزا دے۔“

ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ پروفیسر صاحب نے کسی دور میں لاء (قانون) پڑھا ہے لیکن اگر وہ انگریز کے عطاء کردہ مجموعہ تعزیرات کو قرآن وسنت اور فقہ پر مقدم نہ کرتے تو یہاں ہرگز ٹھوکر نہ کھاتے۔

اب ہم سب سے پہلے پروفیسر صاحب کی آخری بات کا جواب دے کر باقی باتوں کا جواب ان کی اپنی کتاب سے دیتے ہیں۔ پروفیسر صاحب کے مطابق گورنر تاثیر کے جملے تو ہیں رسالت کے ذمے میں نہیں آتے جبکہ ملک بھر کے 500 جید مفتیان کرام کا فتویٰ ہے کہ تاثیر کے جملوں سے تو ہیں رسالت ہوئی ہے اور وہ اہانت کا مرتکب ہوا ہے لیکن اس پر تاثیر نے کہا تھا کہ میں ایسے فتوؤں کو جوتی کی نوک پر رکھتا ہوں۔ اب ہمارا قارئین سے سوال ہے کہ 500 مفتیان کرام کی شرعی مسئلہ میں رائے اہم ہے یا ایک فرد بلکہ تنازعہ ترین فرد کی۔

پروفیسر صاحب کا آگے کہنا ہے کہ اگر تاثیر تو ہیں رسالت کے ذمے میں آتا بھی ہو تو یہ عدالت کا کام ہے کہ سزا دے۔ قارئین کرام! آپ نے فیصلہ پڑھ لیا ہوگا کہ جج نے اپنے فیصلے میں غازی ممتاز قادری کو واضح الفاظ میں کہا ہے کہ آپ نے جو کام کیا ہے وہ اسلام کی رُو سے ٹھیک ہے یعنی گستاخ رسول گورنر تاثیر کا قتل قرآن وسنت کی رُو سے ٹھیک ہے۔ جب قرآن وسنت کی رُو سے قتل کرتا ”حق“ یا ٹھیک ہے تو قتل کرنے

والا کس طرح ناحق یا غلط ہوگا؟ اب پروفیسر صاحب ہی فرمائیں کہ اسلامی قانون یعنی قرآن و سنت کو مقدم کیا جائے یا تعزیرات ہند کو۔

انگریزی قانون پڑھے ہوئے جج کی مددی میں تو یہ بات آگئی کہ تاثیر کے جملے گستاخی پر مبنی تھے اور اسی وجہ سے وہ قتل ہوا ہے تبھی تو کہہ رہا ہے کہ ”آپ نے جو کام کیا ہے وہ اسلام کی رُو سے ٹھیک ہے“ لیکن قدیم وجدید علوم پر دسترس رکھنے کے دعویدار پروفیسر صاحب نجانے یہ کیوں نہ سمجھ سکے؟

1995ء میں پروفیسر صاحب نے ایک کتاب بعنوان ”احکام اسلام اور تحفظ ناموس رسالت“ تصنیف کی جسے 2004ء سے ”تحفظ ناموس رسالت“ کے نام سے چھاپا جا رہا ہے۔ ذیل میں اس کتاب سے متعلق مختصر مواد پیش خدمت ہے۔

① صفحہ نمبر 95 پر ”موہم تحقیر لفظ کے استعمال سے ممانعت“ کے ضمن میں لکھتے ہیں ”وہ لفظ جو ذومعنی“ موہم تحقیر“ ہو یعنی گستاخ رسالت مآب ﷺ پر دلالت کرے اسے حضور ﷺ کی شان اقدس میں استعمال کرنا صریح توہین و گستاخی ہے اگرچہ صراحتاً اس سے اہانت و تنقیص رسالت مآب ﷺ کا کوئی وہم بھی پیدا نہ ہو بلکہ محض ذہن میں معمولی سا شائبہ ہی پیدا ہو تو ایسے لفظ کا استعمال مطلقاً جائز نہیں ہے۔ اس میں یہ ضروری نہیں وہ لفظ لغت عرب میں بغرض توہین و تنقیص کے وضع کیا گیا ہو اور نہ ہی یہ بات ضروری ہے کہ وہ لفظ اگر کثیر المعانی ہے تو اس کے سب کے سب معانی توہین و اہانت اور تنقیص و تحقیر پر دلالت کرتے ہوں بلکہ اس کے کچھ معانی و مطالب اچھے بھی ہوں۔ اس کے باوجود ایسے کثیر المعانی لفظ کو حضور ﷺ کی شان اقدس میں بولنے، لکھنے سے قرآن حکیم نے سختی سے منع کیا ہے۔ اس حقیقت سے آگاہی کے بعد کوئی فرد بشر اس کا ارتکاب کرے تو اس کا یہ عمل شان رسالت مآب ﷺ میں گستاخی و اہانت کے مترادف ہے۔“

② صفحہ نمبر 107 میں ”فتنہ اہانت رسول کا ہمیشہ کے لیے سد باب“ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ”اس ساری گفتگو سے یہ بات واضح طور پر سامنے آگئی کہ اسلام کسی بھی سطح پر اہانت و گستاخی رسول ﷺ کے مرتکب کو کسی قسم کی معنائش و موقع نہیں دیتا ہے پس جو گستاخ ہے وہ ابدی لعنتی اور جہنمی ہے اور اسے قتل کرنا

واجب ہے۔“

③ صفحہ نمبر 108 میں ”کلمہ اہانت کہنے والا مباح الدم“ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ”اس ساری بحث کا خلاصہ کلام یہ ہوا جب کسی بھی فرد نے شان رسالت مآب ﷺ اور شعائر دین کی نسبت توہین آمیز کلمات کہے اور یہ مذموم فعل کرنے کے بعد یہ کہہ دے کہ میں نے یہ الفاظ بدینتی کے ارادے سے نہیں کہے ہیں بلکہ یہ اتفاقاً صادر ہو گئے ہیں تو اس کے جواب کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔“

اس لیے کہ اگر کسی نے بغیر ارادے کے بھی حضور ﷺ کی اہانت و تنقیص کی اور وہ اگرچہ صراحتاً نہ تھی بلکہ اجالا تھی اور اس میں تحقیر و توہین کا وہم شائبہ پایا جاتا تھا تو اس ذرا سی گستاخی و بے ادبی پر بھی اس کے کافر اور واجب القتل ہونے کا ائمہ نے فتویٰ دیا ہے۔ غرض یہ کہ کوئی بھی فرد دانستہ یا غیر دانستہ طور پر گستاخی و اہانت رسول کے جرم کا ارتکاب کرے تو اس کے لیے شریعت نے واجب القتل ہونے کی سزا مقرر کی ہے۔“

④ صفحہ نمبر 193 میں سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 61 کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ”اسلامی ریاست میں کسی کی جان و مال، عزت و عصمت کی محافظت و پاسپانی اللہ کی رحمت میں شمار ہوتی ہے۔ ناحق کسی کی جان تلف نہیں کی جاتی اور کسی کا معصوم الدم ہوتا بھی اللہ کی رحمت کے باعث ہوتا ہے جبکہ اس کے برعکس کسی کی جان و مال، عزت و آبرو کی محافظت کی ذمہ داری کا رفع ہو جانا بہت بڑی ذلت و رسوائی ہے۔ حتیٰ کہ یہ حکم آجائے کہ جہاں اور جب ملیں انہیں بچن بچن کر قتل کر دیا جائے یہاں تک ان کا نام و نشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائے بسبب اس کے کہ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے آداب کو نہ صرف ہامال کیا ہے بلکہ بے ادبی و گستاخی اور اہانت و تنقیص رسالت کا ارتکاب بھی کیا ہے یوں منافق و کافر ہوئے۔“

ان کی جان اور مال کے تحفظ کی ان کے حوالے سے اسلامی ریاست کی ذمہ داری بھی ختم ہوئی، معصوم الدم ہونے کے شرف سے محروم ہو کر مباح الدم ہوئے لہذا انہیں تلاش کیا جائے جہاں اور جس جگہ ملیں انہیں اس طرح قتل کیا جائے کہ حق قتل کے تمام تقاضے ادا ہو جائیں دوسروں کے لیے یہ عمل نشان عبرت بن جائے حتیٰ کہ اسلامی ریاست میں اس (توہین رسالت) جرم اور رویے کا کلیتہاً خاتمہ ہو جائے۔“

⑥ صفحہ نمبر 301 میں "امت مسلمہ کی بقاء گستاخ رسول کے قتل میں ہے" کے ضمن میں لکھا ہے کہ "شان رسالت مآب ﷺ میں بے ادبی و گستاخی کے بعد امت مسلمہ کے زندہ رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ امت کی غیرت و حمیت کا تقاضا یہ ہے کہ جوں ہی گستاخی و بے ادبی رسول کا غنہ سر اٹھائے توں ہی اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس طرح ختم کر دے کہ آئندہ اس کی پرورش و فردغ پانے کے جملہ امکانات اور صورتیں کلیتاً معدوم ہو جائیں۔"

⑦ صفحہ نمبر 357 میں "دستور ریاست سے بغاوت باعث سزا موت" کے ضمن میں لکھا ہے کہ "آج دنیا کے تمام ممالک کے آئین و دساتیر میں یہ بات رقم ہے کہ جو شخص کسی سلطنت و ریاست اور اس کے دستور و اقتدار اعلیٰ سے بغاوت کا ارتکاب کرے وہ سزائے موت کا مستحق ہے۔ تعزیرات پاکستان میں یہ درج ہے کہ کوئی بھی شخص جو پاکستان کے خلاف جنگ یا بغاوت کرے یا جنگ کرنے کی کوشش کرے یا جنگ کرنے میں مدد و اعانت کرے تو ایسا شخص سزائے موت کا مستحق ہوگا۔ یہ اس لیے تاکہ ریاست و سلطنت کا تقدس و احترام اور عظمت و حرمت ہر شے سے بلند و فائق ہے۔ کوئی بھی فرد اس کی شان و شوکت اور عزت و حرمت کو پامال کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔"

غرض یہ کہ انسان کے اپنے وضع کردہ قانون و دستور اور اپنے ہاتھ سے تراشیدہ و تشکیل کردہ ریاست و سلطنت کا احترام و تقدیس اس قدر بلند و اونچا ہے کہ اس ریاست کے اقتدار اعلیٰ کے خلاف کسی فرد کا اقدام بغاوت سزائے موت کا مستوجب ٹھہراتا ہے جبکہ وہ ذات جو وجہ تخلیق کائنات ہے جو فخر عالم انس و جن ہے جس کے طفیل کائنات کو وجود و ظہور ملا جس سے عالم بشریت کو شعور و فردغ ملا اور جس کے نقوش پا پر چل کر انسانیت اپنی معراج کو پہنچی۔ ہم ایسے ذات کی عزت و حرمت، ادب و احترام اور عظمت و رفعت پر کروڑوں ریاستوں اور آئین کی حرمت و تقدیس کو قربان کرتے ہیں۔ آئین و ریاست کا باغی تو واجب القتل ہو جبکہ تاجدار کائنات سرور دو جہاں ﷺ کی عزت و ناموس پر حملہ کرنے والا واجب القتل نہ ہو آخر کیوں؟"

درج بالا حوالہ جات کو بلا کسی تہرے کے ہو بہو نقل کر دیا ہے تاکہ قارئین سمجھ سکیں کہ پروفیسر صاحب نے کیا ہیں اور بولتے کیا ہیں؟ پروفیسر صاحب کی اپنی لکھی ہوئی کتاب کے حوالوں کے بعد اب پروفیسر صاحب کے اثر و یوکی کوئی اہمیت یا وقعت نہیں رہ جاتا، اور ان کا متضاد موقف بھی سب کے سامنے واضح ہو گیا ہے۔

پروفیسر صاحب کی کتاب سے بیان کردہ پہلا حوالہ ذومعنی اور کثیر المعانی و قلیل الغنا گستاخانہ الفاظ کے حوالے سے ہے۔ گورنر تاثیر نے قرآن و سنت سے ثابت شدہ قانون تحفظ ناموس رسالت کو نعوذ باللہ کالا قانون اور اسلامی تعزیرات کو ظالمانہ سزائیں قرار دیا لہذا پروفیسر صاحب کی اپنی بیان کردہ اصل عبارت کے مطابق "یہ عمل شان رسالت مآب ﷺ میں گستاخی و امانت کے مترادف ہے۔"

دوسرے حوالے میں بتایا گیا ہے کہ اسلام گستاخ کو موقع و گنجائش نہیں دیتا لہذا غازی ممتاز قادری نے بھی موقع ملتے ہی گستاخ گورنر کو مزید گنجائش نہ دی۔ پروفیسر صاحب کی اپنی بیان کردہ اصل عبارت کے مطابق گستاخ ابدی لعنتی اور جہنمی ہے یعنی تاثیر ابدی لعنتی اور جہنمی ہے۔

تیسرے حوالے میں گستاخی کی وضاحت کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ گستاخ کی وضاحت قابل قبول نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ گورنر تاثیر نے قتل سے قبل جی سی یونیورسٹی لاہور میں جو عذر گناہ پیش کیا تھا وہ ناقابل قبول ہے۔

چوتھے حوالے میں بتایا گیا ہے کہ جو نبی کوئی شخص توہین رسالت کا ارتکاب کرتا ہے اسی لیے ریاست کے شہری ہونے کے حوالے سے اسے ملا ہوا تحفظ ختم ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا جو نبی گورنر تاثیر توہین رسالت کا مرتکب ہوا تو ریاست اس کی جان و مال کے تحفظ کا ذمہ ختم ہو گیا لہذا پروفیسر صاحب کے اپنے بیان کردہ حوالے کے مطابق وہ جہاں بھی ملا اسے غازی ممتاز قادری نے مار دیا اور 27 گولیاں اس کے ناپاک وجود میں اتار کر حق قتل پورا کیا اور تاثیر کو دیگر منکرین قانون تحفظ ناموس رسالت کے لیے نشان عبرت بنا دیا۔

پانچویں حوالے کے مطابق جیسے ہی تاثیر نے گستاخی کی تھی امت مسلمہ پر لازم ہو گیا تھا کہ اس کا قلع قمع

کرے۔ بالآخر غازی ممتاز قادری نے امت مسلمہ کی طرف سے یہ فریضہ پورا کیا، نہ صرف پورا بلکہ اس طرح باحسن بھیایا کہ اب بڑے بڑے مکرین شان رسالت مآب ﷺ بات کرنے سے قبل سینکڑوں مرتبہ سوچتے ہیں۔

چھٹے حوالے میں بتایا گیا ہے کہ ریاست کی بغاوت یا مخالفت کی سزا موت ہے۔ جب ریاست کے باغی کی سزا موت ہے تو وجہ کائنات آقائے دو عالم ﷺ کے باغی کی سزا بدرجہ اتم موت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ناموس کے تحفظ کے لیے ریاست کے سینکڑوں دساتیر اور آئین قربان ہیں۔ پروفیسر صاحب کے اپنے بیان کردہ حوالے کے مطابق غازی صاحب نے بھی تو رسول اللہ ﷺ کی ناموس کا تحفظ کیا ہے پھر کیوں ملکی دستور و آئین اُن کے مخالف ہیں اور پروفیسر صاحب کیوں و کس طرح غازی صاحب پر ریاستی قانون ہاتھ میں لینے کا الزام تھوپتے ہوئے ان کے لیے موت کی سزا تجویز کر رہے ہیں؟

پروفیسر صاحب اقوام متحدہ میں اپنے لیے نشست حاصل کرنے کے لیے کسی اور طرح کی چال چلتے ہوئے یہود و نصاریٰ کی کاسہ لیس کر تے تو شاید کسی حد تک کامیاب ہو جاتے لیکن اہل اسلام غازی اسلام ملک ممتاز حسین قادری کے فعل مبارک کو پروفیسر صاحب کی ڈاکٹری اور ناکام و نامراد فلسفے کی سمیٹ ہرگز نہیں چڑھنے دیں گے۔

میر کیا سادہ ہیں کہ بیمار ہوئے جس کے سبب

اسی عطار کے لوٹے سے دوا لیتے ہیں

آخر میں ایک حوالہ پیش کر کے ہم اجازت چاہتے ہیں کہ تقریباً پون صدی قبل جب غازی علم الدین شہید نے ملعون راجپال کو واصل جہنم کیا تھا تو دجال قادیان مرزا غلام قادیانی کے ناخلف بیٹے اور قادیانیوں کے دوسرے چیف گرو مرزا بشیر الدین قادیانی نے ان الفاظ میں احتجاج کیا تھا ”اسی طرح اس قوم کا جس کے جو شیلے آدمی قتل کرتے ہیں“ خواہ انبیاء کی توہین کی وجہ سے ہی وہ ایسا کریں“ فرض ہے کہ

پورے زور کے ساتھ ایسے لوگوں کو دبائے اور اُن سے اظہار برأت کرے۔ انبیاء کی عزت کی حفاظت قانون شکنی کے ذریعہ نہیں ہو سکتی۔ وہ نبی بھی کیا نبی ہے جس کی عزت بچانے کے لیے خون سے ہاتھ رنگنے پڑیں۔ جس کے بچانے کے لیے اپنا دین تباہ کرنا پڑے۔ یہ سمجھنا کہ محمد رسول اللہ کی عزت کے لیے قتل کرنا جائز ہے سخت نادانی.....

وہ لوگ (غازی علم الدین وغیرہ) جو قانون کو ہاتھ میں لیتے ہیں وہ بھی مجرم ہیں اور اپنی قوم کے دشمن ہیں اور جو اُن کی پیٹھ ٹھونکتا ہے وہ بھی قوم کا دشمن ہے۔ میرے نزدیک تو اگر یہی شخص (راجپال کا) قاتل ہے جو گرفتار ہوا ہے تو اس کا سب سے بڑا خیر خواہ وہی ہو سکتا ہے جو اُس کے پاس جائے اور اسے سمجھائے کہ دنیاوی سزا تو تمہیں اب ملے گی ہی، لیکن قتل اس کے کہ وہ ملے، تمہیں چاہیے خدا سے صلح کر لو۔ اس کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ اسے بتایا جائے کہ (غازی علم الدین) تم سے غلطی ہوئی ہے۔“

(الفضل قادیان، جلد: 16، شمارہ: 82، صفحہ: 7-8، مورخہ 19 اپریل 1929ء)

قارئین پون صدی قبل جس جث بطن کا اظہار مرزا قادیانی کے ناخلف بیٹے نے کیا تقریباً انہی الفاظ سے اسی مفہوم میں یہ جملے دور حاضر میں فقہ طاہر یہ پروفیسر یہ کے بانی پروفیسر طاہر القادری نے انٹرویو میں کہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ مرزا کے بیٹے بشیر الدین کے ہی ہیں اور زبان پروفیسر صاحب کی۔

نہ تم صدے ہمیں دیتے

نہ ہم فریاد یوں کرتے

نہ کھلتے راز سر بستہ

نہ یوں رسوائیاں ہوتیں



غازی ممتاز قادری کی سزا ایک نیا محاذ

دنیا کے بعض دیگر ترقی یافتہ ممالک مغرب و اسلامی ممالک کی طرح پاکستان میں بھی انبیاء علیہم السلام کی توہین کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے سزا کا قانون موجود ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پاکستان میں اس قانون کا نفاذ بعض مغربی ممالک کے مقابلے میں بہت بعد میں ہوا ہے نیز مغربی دنیا میں اس طرح کے کسی قانون کو باعوم کی تنقید کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ ایسے قوانین سماجی اقدار و روایات کا حصہ بن چکے ہیں۔ لیکن پاکستان میں اس قانون کے نشتائے ہونے کے باعث بعض بظاہر روشن خیال مگر عملاً مادر پدر آزاد کچلر کے حامی اور پاکستان کے لیے توسیع کارعنا صراست قانون کو تیر و فتر کا نشانہ بناتے رہنے کو ایک فیشن کے طور پر اختیار کیے ہوئے ہیں۔

گورنر پنجاب سلمان تاثیر اسی پس منظر میں قتل ہوئے۔ نہ صرف گورنر پنجاب سلمان تاثیر بلکہ ان کی دیگر روشن خیالی کا شکار عرصہ بھی ان دنوں قانون تحفظ ناموس رسالت کے خلاف ہانگ دہل بحث مباحثوں میں حصہ لے رہے تھے لیکن سچی بات یہ ہے کہ سلمان تاثیر اپنی اقدار طبیعی کے باعث اس معاملے میں سب سے زیادہ منہ پھٹ واقع ہوئے۔ نہ صرف یہ کہ ان کی زبان پر ہر چیز بے دریغ آتی تھی بلکہ وہ بے پرواہ ہو کر ہر وہ کام کرنے کے عادی تھے جو ان کی روشن خیالی کو نمایاں کر سکے۔ اس وجہ سے سلمان تاثیر کی شخصیت موضوع بحث بنی رہتی تھی لیکن جس چیز نے گورنر کی شخصیت کو پاکستان میں ہی نہیں دنیا بھر میں توجہ کا مستحق بنایا وہ تو بین رسالت کی مرتکب ملعونہ عاصیہ کی قاعدے اور ضابطے سے ماوراء رہائی کے لیے اپنے آئینی منصب کی پرواہ کیے بغیر دوڑ دھوپ تھی۔

باہر کی دنیا میں یہ چیز گورنر کی شخصیت کے لیے مثبت مگر پاکستان میں انتہائی منفی تعارف کا ذریعہ بنی اور بالآخر گورنر کے اسی تشخص کی وجہ سے ایلیٹ فورس سے تعلق رکھنے والے ایک اہلکار نے مشتعل ہو کر جنوری 2011ء کے شروع میں انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ گورنر کو مذہبی جذبات مجروح کرنے پر قتل کرنے والے ایلیٹ فورس کے اس اہلکار کا نام ملک ممتاز حسین قادری ہے جنہوں نے قتل کے فوری بعد خود کو قانون کے حوالے کر دیا اور گورنر کو مذہبی جذبات مجروح کرنے اور اشتعال پھیلانے کی وجہ سے قتل کرنے کا اعتراف بھی کیا۔

ممتاز حسین قادری کو انسداد و دہشت گردی کی عدالت نے اڈیالہ جیل راولپنڈی میں ایک تیزی سے کیے جانے والے

عاشقوں کی بزم میں وہ منفرد ممتاز مزہ

یا رسول اللہ ﷺ تیرے چاہنے والوں کی خیر
سب غلاموں کا بھلا ہو سب کریں طیبہ کی سیر
ہر زبان پہ ہر طرف یہ ایک ہی آواز ہے
عاشقوں کی بزم میں وہ منفرد ممتاز ہے
ہر دم مولا یہ رکنا خاص تو اس پہ کرم
جس جواں نے رکھ دیا ہے سب غلاموں کا بھرم
بندگی کو فخر ہے اس پر 'عاشقی کو ناز ہے
عاشقوں کی بزم میں وہ منفرد ممتاز ہے
عشق کا جذبہ نہیں ایمان سے ہوتا جدا
ایک عاشق نے کیا ہے اپنا حق بے شک ادا
تم بھی اٹھو عہد ملت ہر طرف آواز ہے
عاشقوں کی بزم میں وہ منفرد ممتاز ہے
عشق کی وارنگی دیوانگی اچھی لگی
اک دیوانے کی ہمیں دیوانگی اچھی لگی
ایک عاشق نے اسیری میں پرہی نعت نبی ﷺ
سب غلامان نبی ﷺ کو وہ بڑی اچھی لگی
یا رسول اللہ ﷺ تیرے چاہنے والوں کی خیر

سب غلاموں کا بھلا ہو سب کریں طیبہ کی سیر

﴿بفکر یہ: مفتی محمد حنیف قریشی﴾

کوشش کی اور اس کیس کے مذہبی تناظر کو پس پشت رکھ دیا۔

ایسے لوگ جن کی تعداد ملک میں کم نہیں ہے یہ بھی سوال اٹھا رہے ہیں کہ ماہ مارچ میں جب پاکستان کی ایک فرائل کورٹ نے امریکی قاتل ریمنڈ ڈیوس کو رہا کرنے کے لیے اوپر کی ہدایات کو فائل کیا تو اس دوسرے مقدمہ قتل کا شرعی نقطہ نگاہ سے فیصلہ تو کیا البتہ حل نکالنے کی اپنے ہم ضرور کوشش کی اور ریمنڈ کے دہرے قتل کے مقدمہ کا باضابطہ فیصلہ سامنے آنے سے پہلے ہی شریعت کا استعمال کرتے ہوئے رہا کر کے بحفاظت پاکستان سے فرار کروادیا۔ جب کہ ملک ممتاز قادری کے کیس میں ایک دوسری پاکستانی عدالت نے بالکل ایک دوسرا زاویہ نگاہ اپنایا اور اکہرے قتل کے واقعے میں ملک ممتاز حسین قادری کو دوسرے سزائے موت سنادی۔ سات دن کے اندر عدالت نے ملک ممتاز حسین قادری کو ہائی کورٹ میں اپیل دائر کرنے کا حق دیا ہے۔

بلاشبہ اعلیٰ عدالتوں میں اس فیصلے پر دونوں طرف کی نقد و نظر کے کئی مواقع آئیں گے اور ہو سکتا ہے کہ وہ سارے سوالات، اعتراضات اور قانون کی تاویلات جن کا فرائل کورٹ میں احاطہ نہیں کیا جاسکا۔ اعلیٰ عدالتوں میں ان میں سے ایک ایک چیز اور ایک ایک نکتہ سیر حاصل انداز میں زیر بحث آئے۔ نہ صرف یہ کہ اعلیٰ عدالتیں قانونی و شرعی سمیت تمام ملکی و ملی حوالوں سے اس کیس کو دیکھیں بلکہ اس معاملے میں بعض پہلوؤں سے قانون سازی کے حوالے سے بہت سے نکات کی اہمیت واضح ہو۔ اس لیے جس جگہ اور تیز رفتاری سے فرائل کورٹ نے اس مقدمے کا فیصلہ سنایا ہے عمومی توقع ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کو ایسی کسی جگہ سے زیادہ اس کیس کی ملک کے اندر حساسیت کا زیادہ خیال رہے گا۔ اس لیے اس کیس کا مستقبل کیا ہوتا ہے اس کے لیے عدالت میں ہونے والی بحثوں اور جرم کا انکشاف رہے گا۔ البتہ جو چیز انداد و ہشت گردی کی عدالت کے فیصلے سے فوری طور پر سامنے آئی ہے اور جس کی روشنی میں کل کی تصویر سامنی اور قومی سطح پر دیکھی جاتی ہے وہ اس فیصلے پر ملک کے ملکی کوچوں اور قصبوں قریوں میں سامنے آنے والا زبردست فطری رد عمل ہے۔

یکم اکتوبر کو ایڈیل جیل میں سنائے جانے والے فیصلے کے فوری بعد یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی کہ عدالت نے غازی ممتاز حسین قادری کو دوسرے سزائے موت دینے کا فیصلہ دیا ہے۔ اس فیصلے کی اطلاع پر راولپنڈی اور لاہور سمیت تقریباً ہر چھوٹے بڑے شہر اور قصبے سے غم و غصے اور احتجاج کی اطلاعات موصول ہوتا شروع ہو گئیں۔ اگلے روز کراچی میں بھی وسیع پیمانے پر احتجاج ہوا۔ جن شہروں میں پہلے روز احتجاج نہ ہو سکا دوسرے روز وہاں بھی احتجاج شروع ہو گیا۔

مذہبی و دینی جماعتیں باہم ایک مرتبہ پھر رابطہ کرنے لگیں۔ ان جماعتوں کے لیے اس معاملے میں مشترکہ حکمت عملی

فرائل کے دوران موت کی سزا سنائی ہے۔ ملک ممتاز حسین قادری کے ہاتھوں گورنر تاثیر کے قتل کے بعد کئی زاویے سامنے آئے۔ غازی مسلم دین شہید کے تذکرے ایک نئے آہنگ کے ساتھ ابھرے اور اہم شخصیات کی سیوری پر مامور اہلکاروں کی اسکرینی نئے سرے سے کرنے کا فیصلہ ہوا۔ ذرائع ابلاغ پر قانون تحفظ ناموس رسالت کے بارے میں آفاقا شروع ہو جانے والے منفی پروپیگنڈہ کی رفتار کم ہو گئی۔ یہ احساس بڑھا کہ سنجیدہ حساس اور مذہبی عقائد و جذبات سے تعلق رکھنے والے ایٹھ اور معاملات پر کسی کو بھی احتیاط اور ذمہ داری کے پیرائے میں ہی بات کرنی چاہیے بصورت دیگر چپ رہنا زیادہ بہتر ہے۔

جی بات یہ ہے کہ ممتاز حسین قادری کے ہاتھوں فرائل اسٹائل گنگو کے عادی گورنر پنجاب کے قتل کے بعد حکومت میں شامل اور حکومت سے باہر سطح پر ایک غیر رسمی اتفاق دیکھا گیا کہ کسی کے جذبے مجروح کرنے کا انداز، لہجہ اور پیرایہ معاشرے میں خوشگواریت کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ نیز یہ کہ قانون اور آئین کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے کام کرنا ریاستی و حکومتی عہدیداروں سمیت ہر ایک کے لیے یکساں ضروری ہے۔ ایک جانب ماورائے عدالت و آئین ملعونہ عاصیہ کی رہائی کے جاری صدقاتی مہم رک گئی اور دوسری جانب ملک ممتاز حسین قادری کے خلاف مقدمہ کی سماعت کا باضابطہ آغاز ہو گیا۔ تقریباً نو ماہ تک سے بھی کم دورانیے کے لیے زیر سماعت رہنے والے اس مقدمے کے دوران ایک بھی ایسا موقع نہیں آیا کہ ملک ممتاز حسین قادری کے نقطہ نظر کے حامیوں نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر امن و امان کی صورتحال پیدا کرنی چاہی ہو۔ تاہم حکومت نے اس مقدمہ کی حساسیت کے باعث اسے جیل کے اندر ہی چلانے کا فیصلہ کیا اور یوں سماعت راولپنڈی کی ایڈیل جیل میں ہوتی رہی۔ جس کا فیصلہ یکم اکتوبر کو سامنے آ چکا ہے۔

عدالتی فیصلے میں بنیادی طور پر دو باتیں کہی گئی ہیں کہ اولاً تو جن رسالت کا ارتکاب کرنے والے کے لیے شریعت میں ایک متعین سزا موجود ہے تاہم عدالتی فیصلے کے بعد تو جن رسالت کے مرتکب شخص کو یہ سزا دینے کا اختیار کسی فرد کو نہیں دیا جاسکتا۔ اسی چیز کو بنیاد بنا کر ملک ممتاز حسین قادری کو دوسرے سزائے موت اور دو لاکھ روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی۔ قانونی اور سماجی حلقوں کے علاوہ بحیثیت مجموعی پورے پاکستان میں عوامی سطح پر یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ ایک طرف عدالت نے بالواسطہ طور پر مسلمان تاثیر کو تو جن رسالت کا مرتکب تسلیم کر لیا اور دوسری جانب غازی ممتاز قادری کی طرف سے اشتعال کے باعث قتل کی سزا بھی محض سزائے موت نہیں بلکہ دوسرے سزائے کیوں سنائی گئی؟

نبی ﷺ سے عقیدت و محبت اور عشق کو اپنا دین ایمان سمجھنے والے مسلمانوں کی غالب اکثریت کے لیے یہ سزا اس وجہ سے بھی محل نظر ہے کہ عدالت نے ایک خالصتاہم مذہبی اور دینی معاملے کو انگریزی طرز کے قانون کے معیارات پر جانچنے کی

اس لیے بھی ضروری سمجھی جا رہی ہے کہ تقریباً ایک سال قبل جب ملعونہ عاصیہ کی ماورائے عدالت رہائی کے لیے ایوان صدر کی ہدایت پر کوششیں شروع ہوئیں اور بعض مغرب نوا زاین جی اوز نے قانون تحفظ ناموس رسالت کے خلاف موجود قانون پر اثر انداز ہونے کی کوشش شروع کی تو مذہبی جماعتوں کے مشترکہ لائحہ عمل اور اتحاد کا اثر یہ ہوا ہے کہ یہ معاملہ حکومت کے اندر موجود عناصر کے لیے بھی آسان نہ رہا اور انہیں بعد ازاں دہک کر بیٹھنا پڑا۔

مذہبی سیاسی جماعتوں کے قائدین نے فوری طور پر باہم رابطے کر کے مشاورت شروع کر دی ہے۔ جمیعت علمائے پاکستان نے اس سلسلے میں تحریک ناموس رسالت کا ایک غیر معمولی اجلاس لاہور میں طلب کیا۔ سنی اتحاد کونسل نے تو 17 اکتوبر کو ہڑتال کی کال دی جو بہت کامیاب رہی۔ جب کہ دیگر جماعتوں کی کوشش ہے کہ آئندہ چند روز کے دوران اس سلسلے میں باضابطہ اعلیٰ سطح کا اجلاس طلب کیا جائے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ان تمام مذہبی سیاسی جماعتوں نے باہم وادیاں چیل میں ہونے والے اس اہم مقدمہ کی سماعت کے دوران خود کو مکمل طور پر الگ تھلگ رکھا تھا لیکن اب جس طرح ملک ممتاز حسین قادری کو دو مرتبہ سزائے موت سنائی گئی ہے اس کے بعد یہ خود کو الگ نہ رکھ سکیں گی۔ کیونکہ یہ جماعتیں سمجھتی ہیں کہ امریکی دھمکیوں کے جواب میں ہونے والی اسے لپی سے اگلے ہی روز اس حساس مقدمہ کا فیصلہ آجانا اہل پاکستان کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے اور قوم میں تفریق پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ قومی یکجہتی و اتحاد میں کوئی ایسا رخ نہ پیدا ہونے دیا جائے جس سے ملک کے اندر اور باہر کی دشمن طاقتوں کو فائدہ ہو۔ مذہبی سیاسی جماعتوں کے قائدین کے مطابق پاکستان کی یکجہتی و اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی خواہش مند طاقتیں اس موقع پر پاکستان میں فرقہ وارانہ مسائل پیدا کرنے کی کوشش بھی کر سکتی ہیں اس لیے دینی قیادت کی کوشش ہوگی کہ اس اہم اور حساس نوعیت کے مقدمہ کے حوالے سے مشترکہ موقف اور مشترکہ لائحہ عمل اختیار کریں۔

گویا ملک کے اندر ایک مرتبہ پھر یہ موقع پیدا ہو گیا ہے کہ مذہبی جماعتیں ایک مشترکہ لائحہ عمل جو کسی بھی طبقے، پیر وئی طاقت یا حکومت میں شامل بعض عناصر کی ایسی کھلی یا در پردہ کوششوں کی راہ میں فراہم کرے جو وہ مذہبی جماعتوں کو تقسیم کرنے یا باہم لڑانے اور توہین رسالت کے خلاف قانون کے خاتمے کے لیے کوشاں ہیں۔

مذہبی جماعتوں کے ذرائع کے مطابق اس حساس ترین مذہبی معاملے میں اگر حکومت نے سواد اعظم پاکستان کے جذبات اور عقائد کا احساس نہ کیا تو مذہبی جماعتوں کو مجبوراً حکومت کے خلاف محاذ کھولنا ہوگا کیونکہ ماضی میں گورنر شہر حکومتی منصب پر فائز ہوتے ہوئے ہی ایسی کوششوں کا متحرک حصہ رہے ہیں۔

دینی جماعتوں کے لیے یہ سوال بھی اس موقع پر اہم ہو گیا ہے کہ ملک کی بڑی سیاسی جماعتیں جو غازی ملک ممتاز حسین قادری کو سزا سنائے جانے کے حوالے سے خاموش ہیں، کھل کر کیا موقف اختیار کرتی ہیں؟ اس لیے مذہبی جماعتوں کو اپنے آئندہ دنوں میں ہونے والے اجلاسوں میں غیر مذہبی تاثر رکھنے یا اپنانے والی سیاسی جماعتوں کے کردار کو بھی دیکھنا ہوگا۔ خصوصاً ان جماعتوں کو اپنے ساتھ ایک مشترکہ لائحہ عمل میں شریک کرنے کے لیے کاوش کرنا ہوگی جو محض عالمی طاقتوں کے دباؤ یا اہل مغرب کے سامنے اپنے ”سافٹ امیج“ کو پیش کرنے کی خاطر خود کو اس موضوع سے اپنے فطری جذبات کے برعکس الگ تھلگ رکھنے کی کوشش میں ہیں۔

17 اکتوبر کو سنی اتحاد کونسل کی اپیل پر ہونے والی کامیاب ہڑتال اس سلسلے میں آئندہ دنوں کے عوامی رجحانات کی تشکیل اور وضاحت کے لیے سنگ میل ثابت ہوگی۔ اس لیے دیگر پرانی اور منظم مذہبی جماعتوں کی کوشش ہونی چاہیے کہ جو بھی احتجاج یا ہڑتال ہو وہ مثبت تاثر کے ساتھ اور ہمدردانہ انداز میں آگے بڑھے۔

اعلیٰ عدالتوں میں غازی ممتاز حسین قادری کے بارے میں کیا فیصلہ ہوتا ہے اس بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا تاہم ممتاز قادری کے خلاف فرائل کورٹ کے فیصلے کے بعد عوامی سطح پر جو فضا اور احتجاج سامنے آیا ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ غازی ممتاز قادری کو محض مذہبی جماعتوں کے وابستگان ہی نہیں اہلیان پاکستان کی غالب اکثریت غازی علم الدین شہید کے راستے کا راہی سمجھتی ہے۔ اب غازی ممتاز قادری کے ساتھ پاکستانی قانون اور عدالت کیا معاملہ کرتی ہے؟ یقیناً اہل پاکستان کے لیے یہ کافی اہمیت کا سوال ہے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب مذہبی جماعتیں ہی نہیں جدید مستند مفتیان دین اور علماء کرام بھی غازی ممتاز قادری کے خلاف فیصلے کو غیر شرعی قرار دے چکے ہیں۔



الہی! پُر اثر میری دعا کر

بجاہ مصطفیٰ خیر الوریٰ کر

خداوند! دعا میری یہی ہے

میرے ممتاز قادری کو رہا کر

ایک ممتاز ترین فیصلہ

مرزا عبدالقدوس

معاشرے میں اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے ایسے معاملات میں دخل ہونا جن معاملات میں آگاہی چند جملوں سے زیادہ نہ ہو اور خاص طور پر دینی اور شرعی معاملات میں مکمل علم کے بغیر گفتگو کرنے سے تو معاشرے میں بگاڑ اور انتشار پیدا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ممبر قحط بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اور ایمان کے جذبے سے سرشار لوگ جان لینے اور جان دینے کو ایک معمولی بات سمجھتے ہیں۔

سابق گورنر سلمان تاثیر کا قتل برصغیر پاک و ہند میں اس نوعیت کا پہلا واقعہ نہیں ہے۔ جب بھی کسی غیر مسلم یا مسلمان شخص نے شریعت کی طے شدہ حدود کو پھیلا گنگے کی کوشش کی تو وہ امت مسلمہ کے غیظ و غضب سے نہیں بچ سکا۔

غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ اس معرکے میں توجہ کے مستحق تھے اور علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ جیسا جدید علوم پر حاوی انسان بھی یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ ہم تو باتیں کرتے رہ گئے، ترکمان کا بیٹا ہازی لے گیا۔ غازی علم دین جن پر قائم کیے گئے مقدمہ قتل کی وکالت بانی پاکستان بھی اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے میانوالی جیل میں تختہ دار پر جموں کر ہمیشہ کے لیے امر ہو گئے اور مشق رسول ﷺ میں ان کا نام ایک استعارے کے طور پر لیا جاتا ہے۔

سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے ایک انتہائی اہم عہدے پر فائز ہونے کے باوجود جس طرح توہین رسالت کے حامیوں کی نہ صرف پشت پناہی کی بلکہ خود بھی اس حوالے سے بلند آہنگ ہوئے ان کا وہ رویہ انہیں ابدی نیند سلا گیا۔ سلمان تاثیر کے گستاخانہ اور حشر پر دیے پروفاقی حکومت نے جس طرح خاموشی اختیار کی اس پر ملک کے طول و عرض میں مسلمان شدید ناراض تھے اور بعض کی ناراضگی ان کے جذبات کی آخری حدود کو چھو رہی تھی۔

توہین رسالت کے جرم میں سزایافتہ ایک مجرم خاتون سے جس طرح جیل میں سلمان تاثیر نے ملاقات کی اور اس ملاقات کو دنیا بھر میں پھیلانے کے لیے جس طرح وہ جیل کے اندر الیکٹرونک میڈیا کو لے گئے اور مجرمہ سے صدر زرداری کے نام اہل یادرخواست پر دستخط کرائے گئے اس پر غازی ممتاز قادی سمیت بہت سے لوگ بہت دل گرفتہ تھے۔

اس موقع پر اگر وفاقی حکومت بالخصوص صدر حکمت کا مظاہرہ کرتے اور پنجاب میں اپنے نمائندے (گورنر) کو منع کر دیتے یا ان سے استعفیٰ ہی طلب کر لیتے تو نہ صرف یہ کہ سلمان تاثیر کی جان بچ جاتی بلکہ مسلمان پاکستان کے دل میں بھی

ملکی قیادت کے ہارے میں خمین کے جذبات پیدا ہوتے۔

لیکن بقول مجھے جس طرح مقتول سلمان تاثیر اپنے بیانات اور ٹی وی کیمروں کے ذریعے مجرمہ سے ملاقات کو اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کا ذریعہ بنا رہے تھے اسی طرح وفاقی حکومت بھی درپردہ ان کوششوں میں ان کی ہموار تھی۔ اس کا کیا جواز تلاش کیا جائے کہ مقتول سلمان تاثیر نے بلاوجہ شرعی قوانین اور حدود میں نہ صرف ٹانگ اڑائی بلکہ انہیں کالا قانون قرار دے کر ان کا مذاق بھی اڑایا۔ شرعی قوانین کے علاوہ ملکی آئین (جس میں حدود اللہ اور شریعت کو سپریم تسلیم کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاکمیت اعلیٰ کے طور پر مانا گیا ہے) کا بھی انہوں نے مذاق اڑایا۔ اس پر توجہ دلائے اور عللے دین کی جانب سے احتجاج کے باوجود وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے اور نہ وفاق نے اس کا نوٹس لیا۔

ان حالات میں پنجاب ایلیٹ فورس کے جوان ملک ممتاز حسین قادری نے جو اسلام آباد میں گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے حلقہ قتل میں شامل تھے انہیں 4 جنوری 2011ء کو کوہسار مارکیٹ اسلام آباد میں سرکاری راکٹل سے درجنوں گولیاں پیوست کر کے قتل کر دیا۔ ملک ممتاز قادری نے اپنے اس فعل کے بعد زمین پر لیٹ کر از خود گرفتاری دی۔

ان کے خلاف راولپنڈی کی انسداد دہشت گردی کی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ اس مقدمے کا فیصلہ دس ماہ سے بھی کم عرصے میں یعنی یکم اکتوبر کو انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت نمبر 2 کے جج پرویز علی شاہ نے سنایا حالانکہ عالمی اداروں کی رپورٹس کے مطابق ملک میں 35 ہزار سے زائد ملزمان کے خلاف قتل کے کیس سالہا سال سے زیر التواء ہیں۔ ممتاز قادری کو سلمان تاثیر کا قتل کے کرنے کے جرم میں دو دفعہ سزائے موت اور دو لاکھ جرمانے کی سزا سنائی گئی ہے۔

ابتداء میں خصوصی عدالت نمبر 2 کے جج اخلاق حسین نے اس مقدمے کی سماعت کی۔ ان کا ٹرانسفر ہونے کے بعد پرویز علی شاہ کو اس عدالت کا جج بنایا گیا جو اس سے پہلے راولپنڈی میں ایڈیشنل سیشن جج کے طور پر ذمہ داریاں ادا کر چکے ہیں۔

راولپنڈی کے ممتاز عالم دین علامہ محمد حنیف قریشی کے مطابق لوئر کورٹ کا یہ فیصلہ فیثنی طور پر کسی دباؤ یا لالچ کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ حکومت اور وفاق و صوبے کے زیر انتظام تفتیشی ادارے اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اٹھارہ کروڑ مسلمانوں کے اس ملک میں ممتاز قادری جیسے عاشق رسول کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی۔ اس فیصلے کے خلاف ہم ابھی تک صرف احتجاج کر رہے ہیں جو ممکنہ طور پر لال مسجد کی تحریک کی طرز پر ایک تحریک کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔ اس لیے حکمرانوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔ عوام پہلے ہی مشکلات کے ستارے ہوئے ہیں اور پھر سے ان کے مذہبی عقائد پر حملہ کرنے والوں

کی بلاوجہ پشت پناہی کی جارہی ہے اور عاشقانِ رسول ﷺ کو سزائے موت دینے جانے کے فیصلے دہاؤ کے ذریعے کرائے جا رہے ہیں۔ مسلمان تاشیر قتل کیس میں میرا نام بھی ایک ملزم کے طور پر شامل کیا گیا۔ ممتاز قادری کے ساتھ ملزم کے طور پر اپنا نام شامل کیے جانے پر مجھے روحانی خوشی ہوئی کہ ہم بھی عاشقانِ رسول ﷺ میں سے ہیں جو آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے خلاف ذرہ برابر توہین بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

ملک ممتاز قادری کو سزائے موت سنائے جانے پر ملک میں ایک نیا محاذ کھل گیا ہے اور تمام دینی جماعتوں نے اس فیصلے کی نہ صرف شدید مذمت کی ہے بلکہ اس فیصلے کے خلاف احتجاج میں بھی تمام بڑی دینی جماعتیں اپنے اپنے طور پر شریک ہیں۔ تمام دینی حلقے اس فیصلے کے خلاف سرگرم ہیں اور یہ عزم کیے ہوئے ہیں کہ سزائے موت کے اس فیصلے پر کسی صورت عمل درآمد نہیں ہونے دیا جائے گا۔

یہاں یہ امر بھی وضاحت طلب ہے کہ ایک طرف تو بینٹلز پارٹی کی موجودہ حکومت مغربی معاشرے سے متاثر ہو کر سزائے موت کے قانون کے خلاف ہے۔ مقتول گورنر تاشیر کی طرح اس پارٹی کی ماضی کی قیادت شرعی قوانین کو کالے قوانین سے بھی تشبیہ دے چکی ہے لیکن دوسری طرف اس نے اپنے ہائی پروفائل مقدمے میں عازمی ممتاز قادری کو سزائے موت سنائے جانے پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ مبصرین کی رائے میں ابھی اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے ہونا باقی ہیں اور زیادہ امکان یہی ظاہر کیا جا رہا ہے کہ یہ فیصلہ اعلیٰ عدالتوں میں برقرار نہیں رہ سکے گا۔ مبصرین کی رائے میں یہ فیصلہ ان بیرونی و اندرونی قوتوں کو خوش کرنے کی ایک کوشش ہے جو پاکستان کے آئین میں موجود تحفظِ مومن رسالت ایکٹ کو ختم کرانے کے درپے ہیں۔

سزائے موت کا فیصلہ سنائے جانے کے بعد ملک ممتاز قادری کے عشقِ رسول ﷺ کے جذبات دو چند ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے خاندان کے افراد اور وکلاء کے ساتھ ملاقات کے موقع پر خلافت قرآن کریم کے بعد نعتِ رسول کریم ﷺ پڑھا کر اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا۔ ممتاز قادری کے خاندان کے لوگ بھی اس فیصلے کے خلاف احتجاج میں شریک ہیں لیکن انہیں اپنے بھائی کے فعل پر مذمت ہے اور نہ اس فیصلے کے بعد وہ کسی بڑی پریشانی کا شکار ہیں۔ قانونی ماہرین کا خیال ہے کہ ہائی کورٹ میں اپیل کے نتیجے میں ممتاز قادری کی سزائے موت ختم ہو جائے گی۔ ان کے خیال میں خصوصی عدالت نے اپنے فیصلے میں بہت سے اہم نکات کو اہمیت نہیں دی جن پر غور کیا جانا ضروری تھا۔



غازی ممتاز قادری کو سزا قانون دانوں کی نظر میں

تاشیر قتل کیس میں خصوصی عدالت کی جانب سے عازمی ممتاز قادری کو دی جانے والی سزائے موت کے خلاف ملک بھر میں دینی جماعتیں سراپا احتجاج ہیں۔ ممتاز قادری کا مقدمہ عازمی علم دین شہید کیس کی طرح ہو گیا ہے۔ یہ کیس جو اشتعال میں آکر قتل کرنے کا تھا، دفعہ 302-C کے تحت آتا ہے۔ اس کیس کے فیصلے کے حوالے سے ملک کے ممتاز وکلاء کی آراء درج ذیل ہیں۔

● توفیق آصف ایڈووکیٹ:

یہ مقدمہ 302-C کے تحت چلایا جانا چاہیے تھا۔ اس کے دلائل بڑے واضح ہیں۔ عدالت نے سزا سنانے کے لئے جو دلائل دیئے ہیں وہ انصاف کا تقاضا پورا نہیں کرتے۔ کیوں کہ ممتاز قادری نے یہ قتل اشتعال میں آکر کیا ہے اور اس میں سزائے موت قانون کے مطابق نہیں ہے۔ موت کی سزا اس جرم کی سزا نہیں ہے جو ممتاز قادری نے کیا۔ یعنی کوئی بھی ایسا اشتعال جس میں انسان خود پر قابو نہ رکھے تو ایسی حالت میں بہت سی چیزیں اس کے اپنے کنٹرول سے باہر ہو جاتی ہیں۔ اس حالت میں جب کوئی شخص کوئی ایسا کام کرتا ہے تو وہ صرف اشتعال کے تحت ہوتا ہے۔ اس میں کوئی ارادہ شامل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے دفعہ 302-C کو شامل کیا گیا ہے۔ اس لئے جب بھی غیرت کی وجہ سے کوئی قتل ہوتا ہے اس میں 302-C کے تحت سزا دی جاتی ہے۔ عام طور پر اس دفعہ میں قاتل کو اس لئے رعایت دی جاتی ہے کہ اگر وہ شخص قتل کرتا ہے تو وہ قتل اشتعال کے تحت آتا ہے اور اشتعال کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں جس میں وہ اپنے قابو میں نہیں ہوتا۔

ممتاز قادری پر دہشت گردی کا الزام بالکل غلط ہے۔ دہشت گردی کا جرم فساد فی الارض کے زمرے میں آتا ہے۔ ممتاز قادری فساد فی الارض کا مرتکب تو نہیں ہوا۔ اس الزام میں انہیں بالکل بھی سزا نہیں ہونی چاہیے تھی۔ وہ محض ایک شخص کے قتل کا مرتکب ہوا ہے۔ لیکن اس پر دہشت گردی کا مقدمہ بنا دیا گیا۔

اگرچہ مثال دینا کچھ عجیب سا لگتا ہے لیکن حکومت کی جانب سے امتیاز برتا گیا ہے۔ امریکی جاسوس ریمنڈ ڈیوس نے بازار میں سرعام تین افراد کو قتل کیا لیکن اس کے خلاف دہشت گردی کا مقدمہ نہیں بنے دیا گیا۔ یہ تو پرانے کیڑا کام ہے کہ وہ اس پر ہات کرے کہ اس مقدمے میں دہشت گردی کی دفعہ لگ سکتی ہے یا نہیں۔ ان کا مرحلہ عدالت کا آجاتا ہے کہ عدالت

اس کا فیصلہ کرے گی کہ یہ دفعہ صحیح لگا ئی گئی ہے یا غلط۔

میرے خیال میں دہشت گردی کی دفعہ کے تحت مقدمہ درج نہیں ہونا چاہیے تھا اور عدالت کو یہ کیس اس دفعہ کے تحت نہیں سنا چاہیے تھا۔ جہاں تک دیت کا تعلق ہے اس بارے میں قانون تو یہ ہے کہ جس مقدمے میں انسداد دہشت گردی کے قانون اے ٹی اے (ATA) کا سیکشن 7 لگا ہو تو وہاں پر مقدمہ فساد فی الارض کے ضمن میں لایا جائے گا پھر اس کی دیت نہیں ہوتی اور نہ ہی اس میں تصفیہ نہیں ہوتا۔

ریمنڈ ڈیوس کیس میں مقتولین کے وکلاء ملزم کے خلاف انسداد دہشت گردی کے سیکشن 7 کے تحت مقدمہ درج کرانے کے لئے کہتے رہے۔ اس لئے انہوں نے ہائی کورٹ میں پیش بھی دائر کی۔ اگر اس مقدمے میں دہشت گردی کی دفعہ لگ جاتی تو پھر تصفیہ نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا حکومت کی نیت ابتدا سے ہی درست نہیں تھی۔ ریمنڈ ڈیوس کو تو دیے ہی چھڑانا تھا یہ کوئی دشمنی تھی بات تو نہیں ہے لیکن ممتاز قادری کے خلاف دہشت گردی کی دفعہ لگا دی گئی تاکہ کچھ دما ز نہ ہو سکے۔ تصفیہ کو بھی چھوڑیں اصل بات یہ ہے کہ ممتاز قادری پر دہشت گردی کی دفعہ لگنی چاہئے تھی یا نہیں؟ میرا موقف یہ ہے کہ غازی ممتاز قادری پر دہشت گردی کی دفعہ لگانا نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے فساد فی الارض نہیں کیا تھا۔ یہ محض حالت اشتعال میں ایک قتل تھا جس کے پیچھے ذاتی دشمنی تھی نہ کوئی منصوبہ تھا۔ اس کے پیچھے صرف ایک وجہ تھی کہ ممتاز قادری نے سلمان تاثیر کو گستاخ رسول سمجھا اور گستاخ رسول کی سزا موت ہے۔

● شہادت حبیب ایڈووکیٹ:

جتنے بھی نوعداری مقدمات ہوتے ہیں ان میں ضابطہ نوعداری کے تحت جو چالان پیش کیا جاتا ہے اس کے بارے میں عدالت کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ دیکھے کہ چالان قانون کے مطابق ہے یا نہیں۔ جو الزامات لگائے گئے ہیں ان کو ثابت کرنے کے لئے شہادت ہے یا نہیں۔ اگر عدالت یہ دیکھے کہ چالان قانون کے مطابق نہیں ہے اور اس میں صحیح طور پر شہادت نہیں دی گئی ہے تو عدالت اس مقدمے کو خارج کر سکتی ہے یا دوبارہ دائر کرنے کو کہہ سکتی ہے۔ فائل اٹھا کر پھینک سکتی ہے۔

اسی طرح انسداد دہشت گردی کی عدالت اس وقت کسی مقدمے کی سماعت کر سکتی ہے کہ کسی عام فعل میں دہشت گردی کا پہلو پایا جائے۔ دہشت گردی کے فعل کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کام جس سے معاشرے میں عدم تحفظ پیدا ہو جائے، ہیجان پیدا ہو جائے، خوف و ہراس پیدا ہو جائے۔ یہ عدالت کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ جب اس کے پاس چالان کی فائل آئے تو وہ دیکھے کہ آیا کوئی ایسی شہادت ہے جس کی بنا پر یہ الزام لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یہ جرم انسداد دہشت گردی کے قانون کے

سیکشن 7 کے تحت آتا ہے یا نہیں؟ اس فعل سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوا ہے یا دہشت پھیلی ہے؟

اس کے بعد جج یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس درخواست کی سماعت کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ یہ تو قانون ہے، اس کے ہاٹے ہیں۔ لیکن معمول یہ ہے کہ انسداد دہشت گردی کی عدالت میں ایسا کوئی بھی چالان جاتا ہے جس پر اے ٹی اے کی سیکشن 7 کے تحت کیس پیش کیا جا رہا ہو تو وہ اس کی سماعت شروع کر دیتے ہیں۔

لال مسجد کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ احتجاج کرنے والے 450 سے 500 افراد کے خلاف اے ٹی اے 7 کے تحت چالان کاٹ دیا گیا تھا۔ میں نے یہ کتنا اٹھایا تھا کراے ٹی اے 7 کو لاڈ ڈالنے کے غلط استعمال اور پمفلٹ پر عائد کر دیا جاتا ہے۔ یہ اے ٹی اے 7 کا ناجائز استعمال ہے۔ سپریم کورٹ نے اس بات کا نوٹس لیا تھا اور ریمارکس دیئے تھے جس کی بدولت انسداد دہشت گردی کی عدالت سے 450 مقدمات ختم ہو گئے تھے۔

لہذا جب سلمان تاثیر قتل کیس انسداد دہشت گردی کی عدالت میں پہنچا تھا تو یہ عدالت کی ذمہ داری تھی کہ وہ دیکھتی کہ اس شخص نے ابتدا میں ہی اعتراف کر لیا ہے کہ میں نے یہ قتل کیا ہے اور ان حالات میں اسلامی جذبے کے تحت قتل کیا ہے۔ اس کے خیال میں یہ شخص تو بین رسالت کا مرتکب تھا اس لیے میں جذبہ بات پر قابو نہیں پاسکا۔

عدالت نے یہ نہیں دیکھا کہ ممتاز قادری کے اس اقدام کے بعد ملک کی اکثریت میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ لوگوں نے ممتاز قادری پر پھول برسائے اسے ہار پہنائے گئے مٹھائیاں تقسیم کی گئیں۔ معاشرے میں اطمینان و سکون کی لہر دوڑ گئی اور ممتاز قادری کے حق میں نعرے لگے لہذا ممتاز قادری پر دہشت گردی کا الزام ثابت نہیں ہوتا تھا۔

عدالت کو خود چاہئے تھا کہ وہ اس مقدمے کو واپس کر دیتی کہ یہ مقدمہ انسداد دہشت گردی کے دائرہ اختیار میں نہیں آتا لیکن عدالت نے اپنے معمول کے مطابق مقدمے کی سماعت منظور کر لی۔

جب عدالت میں مقدمہ جاتا ہے تو یہ وکیل کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ دستاویزات کی جانچ پڑتال کر کے دیکھتا ہے کہ کیا یہ دہشت گردی کا مقدمہ بنتا ہے یا نہیں؟ اس کے لیے کوئی شہادت مہیا کی گئی ہے یا نہیں؟ اول تو عدالت اس مقدمے کا جائزہ لے کر خود اس مقدمے کو واپس کر دیتی کہ یہ انسداد دہشت گردی کا مقدمہ نہیں بنتا۔ عدالت نے اپنی طرف سے جانچ پڑتال کی ذمہ داری پوری نہیں کی۔

اب یہ ممتاز قادری کے وکلاء کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس بات کا جائزہ لیتے کہ اس مقدمے کی اس قانون کے تحت سماعت ہو سکتی تھی یا نہیں۔ یا صرف محض الزام کے لئے انسداد دہشت گردی کے قانون کی سیکشن 7 کو لگا دیا گیا ہے جبکہ کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ اس لئے وکیل انسداد دہشت گردی کے قانون کے 123 اے کے تحت عدالت کو درخواست دیتا ہے کہ

وہ اب اس مقدمے میں الزام کے ساتھ کوئی شہادت موجود نہیں ہے لہذا یہ مقدمہ عام عدالت کو منتقل کر دیا جائے۔ پھر عدالت ہشت گروہی کا فیصلہ کرتی ہے۔ ان سے بھی غلطی ہوئی ہے۔ اگر جج کہتا کہ اس جرم پر انسداد دہشت گردی کا قانون لاگو ہوتا ہے تو پھر وکلاء ہائی کورٹ میں بھی جاسکتے تھے اور سپریم کورٹ سے بھی رجوع کر سکتے تھے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ جج نے جو فیصلہ دیا ہے اس میں اس نے خود کہا ہے کہ اسلامی قوانین اور اسلام کے مطابق آپ کا فیصلہ درست ہے لیکن میں آپ کو ملکی قانون کے تحت سزا دیتا ہوں۔ جب وہ خود اعتراف کرتا ہے تو یہ مقدمہ ایسا تھا کہ جس کے بارے میں جج کو یہ سمجھ لینا چاہیے تھا کہ یہ مقدمہ اس کے اختیار سے باہر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس مقدمے میں کوئی شخص ابتدا میں اعتراف کر لیتا ہے یا وضاحت کر دیتا ہے کہ اس نے کس سے قتل کیا وہ اعتراف ہی اس کے لئے سزا کے تعین کا سبب بنتا ہے۔ جیسے غیرت کا مقدمہ جس میں ماں، بیٹی، بہن یا بیوی کو قتل کیا کہ میں نے ان کو قابل اعتراض حالت میں دیکھا تھا۔ ایسے مقدمات میں سزائے موت نہیں ہوتی بلکہ عرقہ کی سزائیں ہوتی ہیں۔ 7 سال 12 سال وغیرہ۔

آج تک پاکستان میں تو جین رسالت کے مقدمے میں کسی مجرم کو سزائے موت نہیں ملی کیوں کہ بین الاقوامی دباؤ کے سامنے حکومتیں بے بس ہو جاتی ہیں۔ تاہم نے تحفظ ناموس رسالت کے قانون کو کالا قانون کہا تھا۔ اس بنا پر ممتاز قادری نے قتل کر دیا، جواز موجود تھا۔ قانون کے مطابق سزائے موت نہیں ہونی چاہیے تھی۔

اب ضرورت ہے کہ ممتاز قادری کا ہائی کورٹ میں دفاع کیا جائے۔ درخواست میں دو نکات اہم ہیں کہ یہ مقدمہ دہشت گردی کا مقدمہ نہیں تھا۔ دہشت گردی کی عدالت نے اپنے اختیار کو غلط سمجھا ہے۔ اس مقدمے میں اشتعال کے سبب قتل ہوا اس لئے سزائے موت نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ ریمنڈ ڈیوس کیس کی طرح دیت کی بات کر رہے ہیں لیکن دونوں معاملات میں فرق ہے۔ ریمنڈ ڈیوس کی طرف سے دیت بھی غلط ادا کی گئی۔ ریمنڈ نے واقعتاً دہشت گردی کا ارتکاب کیا تھا اس میں 7ATA کے تحت مقدمہ درج ہونا چاہیے تھا لیکن حکومت نے یہ دفعہ نہیں لگائی۔ بمش قتل کا مقدمہ درج کر کے دیت لینے کے بعد ریمنڈ ڈیوس کو معافی دے دی گئی۔ ریمنڈ ڈیوس کیس میں حکومت انسداد دہشت گردی کی شق 7 نہ لگانے کی مجرم ہے اور غازی ممتاز قادری کیس میں حکومت یہی شق لگا کر مجرم ٹھہری ہے۔ اگر تاہم کے درجاء معاف بھی کر دیں تو 7ATA کی سزا برقرار رہے گی اس سزا کو صرف عدالت ہی ختم کر سکتی ہے۔ یہ دیت کا معاملہ ہی نہیں ہے۔

● حبیب الوہاب الخیری ایڈووکیٹ:

ممتاز قادری نے اصولوں کو قربان نہیں کیا۔ اس نے تسلیم کیا کہ ہاں میں نے یہ کام کیا ہے۔ اگر ہمارے یہاں اسلامی

قانون ہوتا تو ایسے واقعات اور فیصلے نہیں ہوتے لیکن حکمران ناموس رسالت کے پاس نہیں رکھتے۔ قائد اعظم نے غازی علم دین کا مقدمہ لڑا تھا۔ اس وقت کی حکومت غازی علم دین کو پھانسی دینے پر تلی ہوئی تھی اسی طرح موجودہ حکومت بھی ممتاز قادری کو پھانسی دینا چاہتی ہے۔ وکیل کچھ بھی کر لیں مگر حکومت ممتاز قادری کیس میں شرارت ضرور کرے گی۔ ممتاز قادری نے یہ تسلیم کیا کہ اس نے تاہم کو قتل کیا ہے۔ یہ اس کا اضطراری فعل تھا اور فیصلہ اس کی روشنی میں ہونا چاہیے تھا۔ اس پر انسداد دہشت گردی کی دفعہ 7 لاگو نہیں ہوتی۔ حکومت کو یہ سوچنا ہوگا کہ وہ کب تک قانون تحفظ ناموس رسالت کی خلاف ورزی کرتی رہے گی جب تک وہ ایسا کرتی رہے گی ممتاز قادری پیدا ہوتے رہیں گے۔

● احمد اویس ایڈووکیٹ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ ریمنڈ ڈیوس کیس اور اس مقدمے کا باہم کوئی تقابل نہیں بنتا۔ ریمنڈ ڈیوس ایک غیر ملکی تھا جس نے دانستہ اور بلا جواز طور پر دو پاکستانی لوجوانوں کو قتل کیا تھا جبکہ ریمنڈ ڈیوس کو جس طرح رہا کیا گیا اس کا ڈیزائن امریکہ اور پاکستان میں اعلیٰ سطح پر تیار کیا گیا تھا۔ اس معاملے میں جس طرح دیت کے قانون کا استعمال کیا گیا وہ غلط تھا کیوں کہ دیت کے قانون کا اطلاق ملزم کو سزا ہونے سے پہلے ممکن نہ تھا اسی طرح یہ بھی عدالتوں کو دیکھنا تھا کہ دیت کے قانون کے اطلاق سے معاشرے پر مجموعی طور پر کیا اثرات مرتب ہوں گے لیکن ایسا کچھ نہ کیا گیا۔ جبکہ سلمان تاہم کی جانب سے ایک مزایا فتنہ خاتون کے لیے قواعد اور قانون سے بالاتر ہو کر جیل جا کر اسے چھڑوانے کی کوشش شروع کرنا عام مسلمانوں کے اشتعال کا سبب تھا۔ اس پر ممتاز قادری کے فطری اشتعال اور غصے کو بھی عدالت کو مد نظر رکھنا چاہیے تھا۔ لیکن اب امید ہے اعلیٰ عدالتوں کی سطح پر ان پہلوؤں کو ضرور سامنے رکھا جائے گا اور اعلیٰ عدالت اس بارے میں دانش مندی کا ثبوت دے گی۔ اگر ممتاز قادری کی سزا برقرار رکھی جاتی ہے تو غازی علم دین شہید کے بعد یہ دوسرا فرد ہوگا جسے عدالت نے جی کریم کے محبت کی وجہ سے سزائے موت دی گی۔



جو بول دیا سو بول دیا
یہ فرض نبھا کے دم لیں گے
ممتاز ہمارا غازی ہے
آزاد کرا کے دم لیں گے

غازی ممتاز حسین قادری

انسداد و ہشت گردی کی ایک عدالت نے سابق گورنر پنجاب کو قتل کر دینے والے ملک ممتاز حسین قادری کو دو بار سزائے موت اور دو لاکھ روپے جرمانے کی سزا دی ہے اور یہ سزا دینے کے بعد عدالت کے جج میں اتنی اخلاقی جرأت اور ہمت نہ ہوئی کہ وہ سیدھے راستے عدالت سے رخصت ہوتے۔ وہ عقی دروازے سے نکل کر رخصت ہوئے اور اپنی عافیت اور سلامتی کے لیے انہیں گھر پر بھی حفاظتی انتظامات کی ضرورت محسوس ہوئی۔

عدالت کے اس فیصلے کو عوام الناس کی سطح پر بھی منعقد نہیں سمجھا گیا اور اس پر مسلسل احتجاج ہو رہا ہے۔ ممتاز حسین قادری نے اپنے 40 صفحات پر پھیلے ہوئے بیان میں یہ وضاحت کی ہے کہ انہوں نے گورنر کو ان کے اشتعال انگیز بیانات کی وجہ سے قتل کیا، جس میں انہوں نے قانون تحفظ ناموس رسالت کے بارے میں نامناسب کلمات ادا کیے تھے۔

ممتاز حسین قادری نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ انہوں نے 4 جنوری کی شام گورنر تک رسائی پاکستان سے عاصیہ بی بی کے لیے ان کی سرعام حمایت پر بات کی تھی اور قانون تحفظ ناموس رسالت میں ان کی مجوزہ اصلاح کے معاملے پر گفتگو کی تھی۔ وہ ایک عیسائی خاتون کی حمایت کر رہے تھے جسے نومبر 2010ء میں عدالت سے سزائے موت سنائی جا چکی تھی۔ گورنر تاشیر کا کہنا تھا کہ عیسائی خاتون کو توہین رسالت کے الزام میں غلط سزا سنائی گئی تھی۔ گورنر تاشیر کا کہنا تھا کہ عیسائی خاتون کو توہین رسالت کے الزام میں غلط سزا سنائی گئی تھی۔ گورنر کو عدالتی فیصلے کا احترام کرتے ہوئے اس فیصلے کے خلاف سرگرم ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ سزا پہلے مرحلے میں ہوئی تھی، فیصلے کے خلاف ملزم کو اپیل کا حق تھا۔ عدالتی احتساب کے عمل میں گورنر کی مداخلت غلط تھی۔ صوبے کے سربراہ کی حیثیت سے انہیں اس مداخلت کا حق نہیں تھا۔

گورنر کے قتل کی اصل ذمہ داری حکومت کی ہے جس نے گورنر کے بیانات اور اقدامات کا فوری نوٹس نہیں لیا اور انہیں عدالتی فیصلے کے خلاف اور اسے غلط قرار دینے کے الزامات لگانے سے بھی نہیں روکا۔ اگر حکومت، گورنر کے معترضہ بیانات کا فوری نوٹس لے کر انہیں روک دیتی اور ان کی متنازعہ حرکات کا نوٹس لے کر انہیں گورنر کے منصب سے ہٹا دیتی تو شاید یہ واقعہ پیش نہ آتا۔ لیکن حکومت کا طرز عمل اب بھی درست نہیں ہے۔ اس کے ذمہ دار اب بھی گورنر کی غلطی تسلیم نہیں کرتے اور نہ اس غلطی کے فطری نتیجے کو قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔ حکومت کے اس طرز عمل کے نتیجے میں فساد مزید بڑھے گا۔

ملک ممتاز حسین قادری نے اپنے چالیس صفحات پر پھیلے ہوئے بیان میں عاصیہ بی بی کے حق میں گورنر کے بیانات کیے ہیں اور کہا ہے کہ ان بیانات سے مشتعل ہو کر اس نے گورنر کو قتل کیا۔ اگر حکومت ممتاز حسین قادری کے فیصلے سے پہلے گورنر کے متنازعہ بیانات پر کوئی فوری اقدام کر لیتی تو یہ واقعہ پیش نہ آتا۔ ملک ممتاز حسین قادری نے اس بیان میں قرآن کریم کی آیات کے حوالے دیے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کے فرمودات بھی نقل کیے ہیں۔ چاروں علماء کے فیصلے بیان کیے ہیں۔ نیز حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور فقہ کے اکابر کے خیالات و افکار کے حوالے پیش کیے ہیں اور کہا ہے کہ حکومت نے جب توہین رسالت کے سلسلے میں ان شواہد کی روشنی میں اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کیں تو وہ گورنر کے قتل پر مجبور ہوا۔ عدالتی فیصلے اور ممتاز حسین قادری کے بیان کا متن اگر جلد از جلد شائع کر دیا جائے تو رائے عامہ کو معاملے کی صحیح صورت حال سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ملک ممتاز حسین قادری کے وکیل راجہ شجاع الرحمن نے عدالتی فیصلے کو غیر متوقع قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس فیصلے کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ انہوں نے کہا کہ ابھی یہ مقدمہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ عدالت کو ابھی استغاثہ کے وکلاء کے دلائل کی سماعت کے بعد مقدمے کو مکمل کرنا تھا۔ اس کا ردوائی کو مکمل کیے بغیر، وکیل صفائی کی عدم موجودگی میں فاضل جج نے اپنا فیصلہ صادر کر کے علی الصبح ممتاز قادری کو قصاص دیا اور خود عدالت سے چلے گئے۔

ممتاز قادری کے اہل خاندان نے عدالتی فیصلے پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ بھائی دل پڑ اعوان نے اپنے گھر سے بی بی بی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ فیصلہ سناتے ہوئے نہ تو ہمارے وکلاء کو عدالت میں داخل ہونے دیا گیا اور نہ ہمیں عدالت میں طلب کیا گیا۔ فیصلہ صبح سویرے سنایا گیا۔ ان کے وکلاء کو آج عدالت میں درخواست دینی تھی جس میں وکلاء یہ موقف اختیار کرنے والے تھے کہ ممتاز قادری پر انسداد و ہشت گردی کے قانون کا اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے اس مقدمے کی سماعت عام عدالت میں ہونی چاہیے لیکن عدالت نے اس کی مہلت ہی نہیں دی۔ جن پراسرار حالات میں مقدمے کی سماعت مکمل ہوئے بغیر، جس طرح وکلاء کی عدم موجودگی میں عدالت نے فیصلہ صادر کیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کا فیصلہ دیے جانے کے لیے عدالت پر کوئی شدید دباؤ تھا۔ اس دباؤ کا انکشاف ہونا بہت ضروری ہے۔ امید ہے کہ اگلے عدالتی مرحلے میں دباؤ کا یہ معاملہ بھی صاف ہو جائے گا۔

جو جج آزادانہ فیصلے کرتے ہیں اور کسی دباؤ کو خاطر میں نہیں لاتے وہ کبھی فیصلہ صادر کرنے کے بعد خوفزدہ نہیں ہوتے مگر جس جج نے ملک ممتاز حسین قادری کو سزا دی ہے وہ اپنے فیصلے کے نتائج سے خود بے حد خوفزدہ ہے۔ انگریزی معاصر دی نیشن کی 15 اکتوبر کی اشاعت کی یہ خبر اصل صورت بتا رہی ہے۔ اے ایف پی کے مطابق گورنر سلمان تاشیر کو قتل کرنے

والے ملک ممتاز حسین قادری کو سزائے موت سنانے والے جج صاحب منگل کے روز عدالت میں اپنی ڈیوٹی پر نہیں آ سکے۔ فیصلے والے دن ان کے کمرۂ عدالت کو حملہ کر کے درہم برہم کر دیا گیا تھا اور کمرۂ عدالت میں بہت زیادہ توڑ پھوڑ کی گئی تھی۔ جج صاحب اپنی سلامتی جان کے لیے کسی دوسرے مقام پر چٹادلے کے خواہش مند ہیں مگر ان کے لیے کوئی بھی مقام مکمل جائے سکون نہیں ہو سکتا، کیونکہ ناموس رسالت پر مر مٹنے والے ملک کے ہر حصے میں موجود ہیں۔ انہیں تحفظ تو بیرون ملک کسی غیر مسلم ملک ہی میں مل سکتا ہے۔ ان کے کمرۂ عدالت کو توہنس نہیں تو غضب آلود وکلاء ہی نے کیا تھا۔ ان وکلاء سے کون سی ملکی عدالت خالی ہو سکتی ہے۔

سزا سنائے جانے کے بعد مظہم کے اہل خانہ کا صبر اور حوصلہ قابلِ داد ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں اس سزا سے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی ہم اس پر پشیمان ہیں۔ خوفزدہ نہ تو سزا پانے والے ممتاز قادری کی اہلیہ ہیں اور نہ ان کے والد۔ البتہ خوف کے سائے سرکاری عملے کے ان ارکان پر لہرا رہے ہیں جنہوں نے بروقت مقتول گورنر کے غلط طرز عمل کا کوئی نوٹس نہیں لیا اور ان کے بیانات کو محض پارٹی کے جیلے گورنر کی جرأت و ہمت پر محمول کیا۔ چنانچہ مقتول گورنر کے مقدمہ قتل کے فیصلے کے بعد اعلیٰ حکومتی شخصیات کو اپنی سرگرمیاں محدود کرنے اور عوامی مقامات پر جانے سے گریز کرنے کی ہدایات کر دی گئی ہیں اور ان کی سیکورٹی میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ جن اہم شخصیات کی سیکورٹی بڑھائی گئی ہے ان میں گورنر پنجاب، وزیر اعلیٰ پنجاب، وفاقی و صوبائی وزراء قابل ذکر ہیں۔ ہینڈلز پارٹی کے دیگر کئی رہنماؤں کو بھی تحفظ دیا گیا ہے۔

خود سزا پانے والے غازی ملک ممتاز حسین قادری کی کیفیت فیصلے کے اعلان کے بعد کیا تھی یہ کیفیت ان کے وکلاء نے بتائی ہے۔ وکیل صفائی راجہ شجاع الرحمن نے کہا کہ وہ اور ان کے ساتھی طارق دھیمال ایڈووکیٹ جب ممتاز قادری سے ملنے ڈیالہ جیل پہنچے تو ملک ممتاز حسین قادری نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا اور پہلے سورۃ کوثر کی تلاوت کی اور اس کے بعد ایک نعت پڑھی۔ پھر کہا مجھے آپ لوگوں سے ایک شکایت ہے کہ آپ مٹھائی کے بغیر مجھے ملنے کیوں چلے آئے۔ اب میں آپ سے کہوں گا کہ آپ اپنے گھر کو جائیں تو لوگوں میں مٹھائی تقسیم کریں کیونکہ آج اللہ تبارک و تعالیٰ نے میری قربانی کو قبول کر لیا ہے۔ وکلاء نے بتایا کہ اس موقع پر ممتاز قادری کے والد اور بھائی بھی موجود تھے۔ ممتاز قادری کے والد نے تین بار بلند آواز سے ”اللہ اکبر“ کہا اور بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ ممتاز قادری نے والد سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”عدالت کا فیصلہ موت کی سزا کا نہیں بلکہ یہ شہادت کی خوشخبری ہے۔“



اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آنے والی اس دنیا نے قافی میں اگر کوئی سب سے قیمتی سرمایہ ہے تو وہ محبت رسول ﷺ ہی ہے۔ محبت رسول ﷺ کسی بھی مسلمان کے لیے ایسا خوبصورت اور امانول سرمایہ ہے کہ جسے فنا نہیں بلکہ بھائی جاتا ہے۔ بطور مسلمان یہ اس بات کا تقاضا بھی کرتا ہے کہ اپنے دامن میں محبت رسول عربی ﷺ کے گوہر نایاب کو سمیٹا جائے کیونکہ اللہ کے حبیب ﷺ سے محبت ایمان کی شرط اول ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مال اولاد و والدین اور دنیا کے تمام لوگوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرتا ہو۔“ غازی علم دین شہید بھی انہی ستاروں میں سے ایک ہیں جنہوں نے عشق رسالت مآب ﷺ میں ایک گستاخ رسول کو جہنم واصل کر کے خود جام شہادت نوش فرمایا۔

یہ مرد مجاہد اور عاشق رسول ﷺ 4 دسمبر 1908ء بروز جمعرات لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد طالع محمد بوہڑی تھے، علم دین ابھی ماں کی گود میں ہی تھے کہ ایک روز ان کے دروازہ پر ایک فقیر نے دستک دی اور صدالگائی۔ والدہ آپ کو اٹھائے سوالی کو حجب استطاعت دینے کو کہیں جب اللہ کے اس بندے کی نظر آپ پر پڑی تو کہا ”تیرا یہ بیٹا بڑے نصیب والا ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر بڑا احسان کیا ہے تم اس کو سبز کپڑے پہنایا کرو۔“

بڑے ہوئے تو آپ کو محلہ کی مسجد میں داخل کر دیا گیا، غازی علم دین تعلیمی سلسلہ زیادہ دیر جاری نہ رکھ سکے تو والد کے ساتھ کام پر جانے لگے۔ زندگی کے شب و روز بلی خوشی بسر ہوتے رہے جب جوان ہوئے تو ناموں کی بیٹی سے منگنی کر دی گئی۔ انہی دنوں ایک ہندو پلشر راجپال نے حضور اقدس ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرتے ہوئے ناقابل برداشت خیالات پر مبنی کتاب شائع کی۔ اس کتاب کی اشاعت پر ہندوستان بھر کے مسلمان آگ بکولہ تھے۔ مسلمان جگہ جگہ احتجاج کر رہے تھے اخبارات خبروں سے بھر پور تھے۔

غازی علم دین شہید نے اپنے بڑے بھائی شیخ محمد دین کے ساتھ ایک جلسہ میں نوجوان مقرر کو سنا جو راجپال اور اس کی کتاب کا ذکر کرتے ہوئے انہیں بیدار کر رہا تھا۔ تقریر نے علم دین شہید کے قلب و روح میں ہلچل مچادی۔ ان الفاظ کی گونج

لیے وہ گھر پہنچے اور مستاح رسول کو قتل کرنے کا عہد کیا۔ انارکلی سے ایک چھری خریدی اور اسے خوب تیز کروا کر حضرت پیشنگ ہاؤس کے سامنے واقع راجپال کے دفتر پہنچے بد بخت راجپال کو دیکھتے ہی علم دین کی آنکھوں میں خون اتر آیا راجپال کی حفاظت کے لیے حکومت نے پولیس تعینات کر رکھی تھی لیکن اس وقت پولیس اہلکار حفاظت کے لیے ابھی نہیں پہنچے تھے۔ ملعون راجپال اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پولیس کو اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لیے فون کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ غازی علم دین دفتر میں داخل ہو گئے۔ اس وقت راجپال کے دو ملازم کیدار ناتھ اور بھگت رام بھی وہاں موجود تھے۔ لیکن ان کی موجودگی علم دین کے جذبے کے آگے بے دم ہو گئی۔ غازی علم دین نے چھری کے پے در پے وار کرتے ہوئے بد بخت راجپال کو جہنم واصل کر دیا، بعد میں علم دین کو گرفتار کر لیا گیا اور دفعہ 302 کے تحت مقدمہ درج کیا گیا۔

22 مئی 1929ء کو سیشن جج لاہور نے علم دین کو سزائے موت کا حکم سنایا 15 جولائی کو غازی علم دین کو سنائی جانے والی سزا کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔ اس اپیل کی سماعت جسٹس براؤن وے اور جسٹس جانسن نے کی۔ 17 جولائی کو یہ اپیل خارج کر دی گئی۔ اس کے خلاف پریوی کونسل میں کوشش کی گئی جو 15 اکتوبر 1929ء کو خارج ہو گئی اور عاشق رسول غازی علم دین کی سزائے موت بحال رہی۔

مسلمانوں نے ہائی کورٹ میں علم دین کے مقدمہ کی پیروی کے لیے قائد اعظم کی خدمات بھی حاصل کیں۔ ماہرین قانون کا خیال تھا کہ غازی علم دین اپنے جرم سے انکار کر دیں تو مقدمہ کمزور اور قابل بریت ہو سکتا ہے۔ علم دین شہید نے کسی بھی ایسی تجویز پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔

اس سلسلہ میں ایک وفد نے علامہ محمد اقبال سے رابطہ کیا اور درخواست کی کہ علم دین شہید کو اقبال جرم سے انحراف کی ترغیب دیں مگر علامہ اقبال نے روتے ہوئے وہ تاریخی جملہ کہا جو آج بھی عاشقان رسول کے گونج رہا ہے کہ ”اسی گلاں ای کر دے رہ گئے تے بازی ترکھان دا پتر لے گیا“ مزید فرمایا کہ وہ علم دین شہید کو اس عظیم اعزاز سے محروم کرنے کا مشورہ کیسے دے سکتے ہیں۔

اپیل خارج ہونے پر مسلمانوں میں سخت اشتعال پھیل گیا اور لاہور میں فساد کے خطرے کے پیش نظر 13 اکتوبر 1929ء کو غازی علم دین کو بذریعہ ریل گاڑی میانوالی روانہ کیا گیا۔ میانوالی جیل میں موجود عملہ اور قیدی غازی علم دین کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

آپ کی نگرانی پر مقرر لو اب دین سپاہی کا کہنا ہے کہ ”عموماً پھانسی پانے والے قیدیوں کا وزن کم ہو جاتا ہے اور گرتے ڈھیلے ہو جاتے ہیں مگر غازی علم دین کا وزن بڑھ گیا تھا اور کرتے تنگ ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے ہاتھوں سے نور

کی شعائیں بھی پھوٹی ہوئی نظر آئیں۔“

غازی علم دین نے سپرینٹنڈنٹ جیل کو وصیت لکھوائی جس میں دارفان کو اسلامی احکامات کی پابندی کی تلقین کی مزار کی تیاری کے متعلق اور اپنے لباس و دیگر اشیاء مرشد داروں کو اپنے کی ہدایات صادر فرمائیں۔

13 اکتوبر 1929ء کا دن امت مسلمہ کے لیے یادگار تجدید اور معلوم جگہ غازی علم دین کے لیے انتہائی خوشی و شادمانی کا دن تھا کیونکہ اس دن حرمت رسول پر قرآن ہونے والے غازی علم دین ہمارے رسالت مآب ﷺ میں پہنچنے والے تھے۔

مجسٹریٹ نے کہا تیار ہو جاؤ وہ گھڑی آگئی جس کا تمہیں انتظار تھا۔ یہ خوشخبری سن کر غازی علم دین نے جواباً کہا کہ میں خوشی سے تیار ہوں۔ آپ کے وصال بشاش اور غمی سے چمکتے چہرے کو دیکھ کر مجسٹریٹ حیران رہ گیا۔ مجسٹریٹ نے پوچھا کوئی حسرت، کوئی آرزو کوئی وصیت؟ آپ سکرائے اور کہا دو رکعت نفل بطور شکرانہ ادا کرنے کی خواہش ہے۔ آپ نے جلدی جلدی نفل ادا کیے تاکہ موجود لوگ یہ خیال نہ کریں کہ نماز میں دیر پھانسی میں تاخیر کے لیے کر رہے ہیں۔ پھر تیز تیز قدم اٹھاتے تختہ دار کی جانب چل پڑے۔ قیدیوں کے سلام کے جواب میں انہیں ”اللہ حافظ“ کہا تو جیل کا سارا آحاطہ نعرا رسالت ”یا رسول اللہ“ کے فلک بوس نعروں سے گونج اٹھا۔

غازی علم دین نے کلمہ شہادت بلند آواز میں پڑھا اور پھندے کو بوسہ دیا پھر پاؤں کے نیچے سے تختہ کھینچ دیا گیا۔ چند ہی لمحوں میں آپ کی روح قفسِ فصری سے پرواز کرتے ہوئے رب کریم کے پیارے حبیب ﷺ کے قدموں میں پہنچ گئی۔

غازی علم دین شہید نے وصیت فرمائی تھی کہ انہیں میانوالی صاحب لاہور میں دفن کیا جائے مگر انگریز حکومت کا خیال تھا کہ میت لاہور بھیجی گئی تو ہندو مسلم فساد ہو جائے گا جسے روکنا مشکل ہوگا۔ ان خدشات کے پیش نظر گورنر نے ہدایت جاری کی کہ غازی علم دین کو میانوالی ہی کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔

غازی علم دین شہید کو میانوالی میں دفنائے جانے پر مسلمانوں میں غم و مصہ کی شدید لہر دوڑ گئی۔ قریب تھا کہ بڑا فساد کھڑا ہو جاتا۔ وقت کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے علامہ محمد اقبال سر محمد شفیع، مولانا غلام محی الدین قصوری، میاں عبدالعزیز اور دیگر احباب نے گورنر سے ملاقات کرتے ہوئے میت کی حوالگی اور اسے لاہور میں دفن کرنے کا مطالبہ پیش کیا۔

13 نومبر 1929ء کو غازی علم دین شہید کی میت قبر کشائی کروا کر کھوائی گئی جو اس طرح خوشبوؤں سے معطر اور تازہ تھی۔ جسہ مبارک کے لیے تابوت سید مراتب علی شاہ نے اپنی نگرانی میں تیار کروایا۔ شہید کا جسہ مبارک بذریعہ فرین میانوالی سے لاہور چھاؤنی کے ریلوے سٹیشن پر تقریباً صبح ساڑھے پانچ بجے پہنچا۔ جسے جیل حکام نے علامہ محمد اقبال



تحریک خلافت کے بعد ہندو مسلم اتحاد کا مصنوعی باب جلد ہی اپنے انجام کو پہنچا اور ہندوؤں نے تحریک کے ختم ہوتے ہی اس اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس سلسلے میں ہندو مہاسبھا اور آریہ سماجیوں نے مسلمانوں کے مذہب، تمدن اور سیاسی تاریخ کو کھنڈ کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

آریہ سماجیوں کی سرگرمیوں کے مرکز ویسے تو پورے ہندوستان میں موجود تھے لیکن لاہور ان کی سرگرمیوں کا خاص مرکز تھا۔ اس لیے 1923ء میں لاہور کے ایک پبلشر راج پال نے پروفیسر جیمائی کی کتاب شائع کی جس میں حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر ناروا حملے کیے گئے تھے۔ اس کتاب کے چھپنے ہی مسلمانوں میں غم و غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔

چنانچہ اس کتاب کے پبلشر راج پال پر فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے الزام میں مقدمہ چلا۔ ماتحت عدالت نے مقدمہ کی سماعت کے بعد مظلوم کو دو سال قید سخت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا سنائی لیکن عدالت کے چیف جسٹس سر شادی لعل نے جو مسلمانوں کے لیے اپنے روایتی تعصب کے باعث بہت مشہور تھا، راج پال کو بری کر دیا۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا اور 27 ستمبر 1927ء کو ایک مسلمان خدا بخش نے راج پال پر حملہ کیا لیکن قسمت نے اس کا ساتھ دیا اور وہ موت کے نہ میں جانے سے بچ گیا۔

اس کے بعد لاہور کے سریاں والا بازار کے علم الدین نے راج پال پر حملہ کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ غازی علم الدین کو گرفتار کر کے اس پر سیشن عدالت میں مقدمہ چلا جہاں اسے سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ سیشن عدالت کے اس فیصلے کے خلاف عدالت عالیہ میں اپیل دائر کی گئی جس کی بیروی کے لیے قائد اعظم محمد علی جناح کو سینیٹ سے لاہور بلوایا گیا۔ اس سلسلے میں قائد اعظم نے عدالت عالیہ کو تار دیا کہ 15 جولائی کو مقدمہ کی سماعت کے لیے تاریخ مقرر کی جائے۔

یہاں یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ پنجاب کے مشہور سیاسی رہنما اور وکیل سر محمد شفیع نے اس مقدمہ کی بیروی کر کے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ ہندو اسے برا سمجھیں گے۔

چونکہ ایک ہائی کورٹ کا وکیل دوسرے ہائی کورٹ میں پریکٹس نہیں کر سکتا تھا اس لیے بیہی ہائی کورٹ کے

اور سر محمد شفیع وغیرہ کے سپرد کر دیا۔

14 نومبر کو تقریباً ساڑھے دس بجے قاری محمد شمس الدین خلیب مسجد وزیر خان نے نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔ اسے غازی علم الدین شہید اہم آپ کی قسمت اور عظمت کو لام پیش کرتے ہیں۔

یہ امر قابل غور ہے کہ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کو اپنے لیے باعث اعزاز اور زندگی کا اصل حاصل سمجھتے ہیں جبکہ دوسری طرف وہ ارباب اختیار ہیں جو "تحفظ ناموس رسالت" کا قانون ختم کرنے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔

31 اکتوبر 1929ء کو غازی علم الدین شہید ﷺ نے تحفظ ناموس رسالت کی خاطر جام شہادت نوش فرمایا اور ہمیشہ کے لیے امر ہو گئے۔

ہم اس تناظر میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ 30 ستمبر کا دن "یومِ عظمتِ مصطفیٰ ﷺ" کے طور پر اور 31 اکتوبر کا دن "یومِ تحفظ ناموس رسالت ﷺ" کے طور پر سرکاری سطح پر پورا انداز میں منایا جائے۔



ہر عاشق رسول کا دلدار قادری
عہد رواں کا قول اور اقرار قادری
صدیوں میں نور جائے گا اس شیر مرد کا
جو روکتا ہے اک بار نام لینے سے
جب تک نہ غازی باہر ہو اڈیا لہ جیل سے
ہم توڑ دیں گے جیل کی دیوار آپ ہی
ہم کہہ رہے ہیں حاکم! خوب جان لو
جس دن سے وہ گستاخ پر تگوار بنا ہے
اب بن گیا ہے عشق کا معیار قادری
قبر رضا سے ہیکر کروار قادری
اب بن گیا ہے عشق کا معیار قادری
ہم کہہ رہے ہیں بر ملا لاکھ بار قادری
تو ہوتا چاہیے اپنا بھی گھر بار قادری
اب بن گیا ہے جذبوں کا سالار قادری
اب ہر گلی میں دیکھو گے تیار قادری
اُس دن سے بن گیا ہے میرا دلدار قادری
﴿نڈاکٹر مفتی محمد اشرف آصف جہلمی﴾

مسٹر جناح نے جب پنجاب ہائی کورٹ سے علم الدین کے مقدمہ میں پیش ہونے کی اجازت مانگی تو پنجاب ہائی کورٹ کے جج مسٹر جسٹس براڈوے نے اجازت دینے کی مخالفت کی لیکن چیف جسٹس سر شادی لعل نے قائد اعظم کو پیش ہونے کی اجازت دے دی۔ روزنامہ انقلاب (لاہور) نے چیف جسٹس کے اس فیصلہ کو ان کا ہوش مندانہ فعل قرار دیا اور لکھا کہ اگر وہ مسٹر محمد علی جناح کو مقدمہ میں پیش ہونے کی اجازت نہ دیتے تو مسلمانوں میں بے حد جوش پھیل جاتا۔

15 جولائی 1929ء کو جسٹس براڈوے اور جسٹس جانسن کے رو برو مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے مقدمہ کے واقعات کو سامنے رکھ کر انتہائی قابلیت کے ساتھ غازی علم الدین کی بے گناہی ثابت کی۔ سب سے پہلے قائد اعظم نے یعنی گواہوں کے بیانات پر جرح کی۔ قائد اعظم نے عدالت کو بتایا کہ یعنی گواہ کدار ناتھ مقتول کا ملازم ہے اس لیے اس کی گواہی تاہل اور غور کے بعد قبول کرنی چاہیے۔ دوسرے کدار ناتھ نے اپنے ابتدائی بیان میں بھگت رام گواہ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ بھی مقتول کی دکان کے ہی ایک حصے میں کام کر رہا تھا اور کدار ناتھ کی طرح بھگت رام نے بھی بیان کردہ قاتل غازی علم الدین پر کتابیں بھینکیں اور اس کا تعاقب کیا۔

کدار ناتھ نے ابتدائی بیان میں ملزم کے متعلق یہ نہیں کہا کہ اس نے گرفتاری کے بعد اقبال جرم کیا۔ عدالت سیشن میں وہ بیان دیتا ہے کہ ملزم نے کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی عزت کا بدلہ لیا ہے۔ ان حقائق سے قائد اعظم نے یہ ثابت کیا کہ یعنی گواہ نمبر 2 کدار ناتھ جھوٹا ہے۔

اسی طرح قائد اعظم نے دوسرے یعنی گواہ یعنی بھگت رام کی شہادت کو لے کر اس کی کمزوریاں واضح کیں۔ اس کے بعد انہوں نے وڈیر چند، نانک چند اور پرمانند وغیرہ کے بیانات پر ناقدانہ بحث کر کے ثابت کیا کہ کوئی بیان بھی اصلاً قابل اعتماد نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص بیان وضع کر کے مختلف آدمیوں کو ملوٹے کی طرح دیا گیا۔

قائد اعظم نے اپنی جرح سے سب سے اہم نکتہ یہ نکالا کہ عام بیانات کے مطابق واقعہ کے وقت مقتول کو آٹھ دھم گئے یعنی اٹھارہ انیس سال کے ایک معمولی نوجوان نے دن دیہاڑے تین مردوں میں گھس کر ایک شخص کے جسم میں آٹھ دفعہ چھری گھونپی اور نکالی اور تین آدمی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اس کو عقل انسانی صحیح تسلیم نہیں کر سکتی۔

اس کے بعد مسٹر محمد علی جناح نے آتمارام کھاڑی کی شہادت پر جرح کی اور اس کی شہادت کا تار پود بکھیر دیا اور اس کے خلاف کئی دلائل قائم کیے۔ (1) پہلی بات آپ نے یہ ثابت کی کہ کوئی دکاندار اتنا ہار یک بین نہیں ہو سکتا کہ اپنے ہر گاہک کو یاد رکھے جو کہ اس کی دکان پر صرف ایک ہی مرتبہ آیا ہو۔ اس کھاڑی نے ملزم کو شناخت پر پلے کے دوران ملزم

کے چہرے کے ایک نشان کو دیکھ کر پہچانا ہے۔ ظاہر ہے کہ پولیس نے اسے یہ نشان بتا دیا ہوگا جس کی بنا پر اس نے ملزم کو شناخت کر لیا۔ (2) گواہ آتمارام کا دعویٰ تھا کہ وہ چاقو کو پہچان سکتا ہے لیکن جب چاقو اس کے رو برو پیش کیے گئے تو پہچان نہ سکا۔

گواہ آتمارام کھاڑی اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کی نظر کمزور ہے۔ لہذا ان حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آتمارام سکھایا ہوا گواہ ہے۔ استغاثہ کے یہی تین مہمانی تھے اول یعنی گواہ دوم ملزم کو گرفتار کرنے یا کرانے والے سوم چاقو فروخت کرنے والا کھاڑیا۔ ان مہمانی کو انتہائی کمزور ثابت کرنے کے ساتھ ہی استغاثہ کو محمد علی جناح نے بالکل بے حقیقت کر دیا۔

اس کے بعد قائد اعظم محمد علی جناح نے اس امر پر بھی سیر حاصل بحث کی کہ اگر علم الدین قاتل نہیں تھا تو اس کے کپڑوں پر انسانی خون کے دھبے کس طرح لگے تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر کا یہ بیان پیش کیا کہ مقتول کا خون غور سے کی طرح نہیں اچھلا اور جب حالت یہ ہے تو بیان کردہ قاتل کے جسم پر دھبے نہیں پڑ سکتے۔ لیکن ڈاکٹر نے کہا کہ بیان کردہ قاتل کے کپڑے مقتول کی لاش سے چھو گئے ہوں گے۔ قائد اعظم نے کہا کہ ڈاکٹر کی شہادت کا یہ حصہ بالکل لغو ہے۔ اسے رائے دینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ سیشن جج اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ملزم کے کپڑے مقتول کی لاش سے چھوئے نہیں لیکن لکھتا ہے کہ ڈاکٹر کی رائے کے مطابق یہ خون انسانی ہے اس لیے مقتول کا خون ہے اور چھری سے چمک کر ملزم کے کپڑوں پر گرا ہے۔ قائد اعظم نے کہا کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ جس خون کے دھبے ملزم کے کپڑوں پر ہیں وہ واقعی مقتول کا خون ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ یہ خود ملزم کا خون ہے۔ ملزم کا بیان ہے کہ اسے گرفتار کرنے کے بعد ہندوؤں نے مارا پیٹا اور اس مار پیٹ سے اس کی انگلی اور زان پر زخم آئے۔

قائد اعظم نے ایک اہم بات یہ کہی کہ سیشن جج نے مسلم ایسروں کی رائے کے سلسلے میں خواہ مخواہ ہندو مسلم سوال پیدا کیا۔ اس مقدمے میں چار ایسیر (جج) تھے۔ دو مسلمان اور دو غیر مسلم۔ مسلمان ایسروں نے ملزم کو بے گناہ بتلایا، غیر مسلم ایسروں نے جرم کا اثبات کیا۔ سیشن جج نے لکھا ہے کہ مسلم ایسروں کے فیصلے پر یقین نہیں کیا جاسکتا اس لیے ہو سکتا ہے کہ ان کے دل میں فرقہ وارانہ تعصب موجود ہو۔ قائد اعظم نے اس پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمان ایسروں کے متعلق یہ کیوں کہا گیا دوسرے ایسروں کے متعلق کیوں نہیں کہا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں مسلمان ایسروں کے فیصلے بالکل ایماندارانہ ہوں۔ ان کے لیے ضروری نہیں کہ وہ جہ تلاء کیں کہ وہ فلاں فیصلے پر کیوں پہنچے ہیں۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ جج نے مسلمان ایسروں کے متعلق تعصب کا اظہار کیا۔ ملزم کے حق میں جو شہادت تھی سیشن نے اسے ناقابل قبول قرار دیا اور

اس کے خلاف جو شہادت تھی اسے درست سمجھا۔ اس پر جسٹس براڈوے نے کہا کہ جج کو اختیار ہے کہ وہ جس شہادت کو چاہے قبول کرے جس کو چاہے مسترد کرے۔ قائد اعظم نے جواب دیا کہ یہ صحیح ہے مگر قبول و عدم قبول کے لیے دلیل بھی ہونی چاہیے۔

علم دین کو بے گناہ ثابت کرنے کے بعد قائد اعظم نے مقدمے کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالی اور کہا کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ملزم واقعی قاتل ہے تو بھی اس کی سزا پانچویں نہیں بلکہ عرقلہ ہونی چاہیے۔ اس کے لیے قائد اعظم نے مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے۔

(1) ملزم کی عمر اٹھارہ انیس سال کی ہے۔

(2) راج پال نے ایسی کتاب چھاپی جسے عدالت نے بھی خفاق انگیز اور شرانگیز قرار دیا۔ ملزم نے اسے پڑھا اور بھڑک اٹھا۔

(3) ملزم نے کسی لغو اور ذلیل خواہش سے یہ ارتکاب نہیں کیا بلکہ ایک کتاب سے غیرت کھا کر ایسا کیا۔

قائد اعظم محمد علی جناح نے عدالت عالیہ کے سامنے مندرجہ ذیل تقریر کی جس میں عدالت عالیہ سے درخواست کی کہ وہ ملزم کو بری کر دے۔ قائد اعظم نے فرمایا: ”سب سے پہلے میں اس پولیس افسر کی شہادت کی طرف عدالت عالیہ کی توجہ مبذول کراتا ہوں جس نے بیان کیا کہ ہم ملزم سے یہ اطلاع پاتے ہی کہ میں نے آتما رام کہاڑی سے یہ چھری خریدی ہے فوراً اس کی دکان پر پہنچے۔ پولیس نے بذات خود کوئی تفتیش نہیں کی اور صرف ملزم کے بیان پر اکتفا کیا۔ لیکن دفعہ 27 قانون شہادت کی رو سے ملزم کا بیان بطور شہادت پیش نہیں ہو سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ جج صاحبان اس کا فیصلہ صادر کریں۔“

مسٹر جسٹس براڈوے نے کہا کہ شہادت کے قائل قبول یا نا قائل قبول ہونے کے سوال کا فیصلہ کرنا عدالت ماتحت کا کام ہے۔ قائد اعظم نے کہا کہ آپ اس نقطے پر اب نہیں تو آخر میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔

سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے قائد اعظم نے کہا: ”اب غور طلب امر یہ ہے کہ ملزم کو اس مقدمہ میں ماخوذ کرنے کی کافی وجہ ہیں یا نہیں۔ 16 اپریل کو راج پال قتل کیا گیا لیکن سوال یہ ہے کہ جس نے راج پال کو قتل کیا وہ کون تھا؟ استغناش کی شہادتوں میں دو عینی گواہوں کے بیانات ہیں یہ دونوں گواہ کدار ناتھ اور بھگت رام ہیں۔ ان عینی گواہوں کے قائل اعتماد ہونے کو پرکھنے کے لیے میں فاضل ججوں کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراتا چاہتا ہوں کہ یہ دونوں گواہ راج پال کے ملازم تھے۔ ان شہادتوں کے پرکھنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ ان

بیانات کے اختلافات کو دیکھا جائے۔“

قائد اعظم نے کدار ناتھ کا بیان پڑھ کر سنایا اور کہا کہ سخت تعجب کی بات ہے کہ اس بیان میں گواہ بھگت رام کا نہیں نام تک نہیں آیا حالانکہ وہ اس وقت دکان پر موجود تھا۔ برخلاف اس کے گواہ بھگت رام کا کہنا ہے کہ اس نے ملزم کا تعاقب کیا اور کدار ناتھ کے ساتھ مل کر ملزم پر کتا نہیں پھینکیں۔ جرح کے موقع پر بھی کدار ناتھ کو بھگت رام کا نام سب سے پہلے لینا چاہیے تھا۔ یہ ایک نہایت ہی اہم نکتہ ہے اور عینی شہادت کا جزو اعظم ہے۔

کدار ناتھ نے ارتکاب جرم کا جس قدر وقت بتلایا ہے طبعی شہادت اس کی تردید کرتی ہے۔ طبعی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ گواہ کے بیان کے وقت سے دو چھوٹے وقت صرف ہوا۔

قائد اعظم نے فرمایا کہ گواہ کا بیان ہے کہ جب ملزم کو پکڑا گیا تو اس نے کہا میں نے کوئی چوری نہیں کی یا ڈاک نہیں مارا۔ میں نے صرف اپنے پیغمبر ﷺ کا بدلہ لیا ہے۔ ایک لمحہ کے لیے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ملزم بھگت جارا تھا اور اس کا تعاقب بھی کیا گیا لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص گرفتار ہوتے ہی فوراً اس طرح اقبال جرم کرے؟ یہ شہادت بھی پیش کی گئی ہے کہ وہ متواتر اقبال جرم کرتا رہا۔ پولیس کا ایسے موقع پر فرض تھا کہ وہ مجسٹریٹ کے دربر و ملزم کے بیانات ظلم بند کرائی لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ ہر ایک تجربہ کار پولیس افسر کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ملزم نے راج پال کی دکان پر آکر بھی اقبال جرم کیا۔ ایسا غیر ممکن ہے۔ وہاں پولیس موجود تھی۔ یہ سب کہانی اس قدر غیر قدرتی ہے کہ اس پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔

قائد اعظم نے کہا کہ یہ سب کہانی غلط ہے۔ گواہ نے نہ صرف بھگت رام کا نام ہی ترک کر دیا ہے بلکہ وزیر چند کا نام بھی چھوڑ دیا حالانکہ وزیر چند نے ملزم کا پیچھا کیا تھا۔ جرح پر گواہ نے کہا کہ میں وزیر چند کے نام کے کسی شخص کو نہیں جانتا۔ میں اس شہادت پر صرف یہی کہوں گا کہ اگر گواہ سچ بولتا تو وہ بھگت رام کا نام ضرور لیتا۔ اس کے علاوہ وہ پولیس کے سامنے بھی وہ الفاظ بتاتا جو اس نے بعد میں ملزم کی طرف منسوب کیے لیکن ایسا نہیں کیا گیا اس لیے یہ کہانی فرضی ہے۔

دیوان وزیر چند کی شہادت پڑھ کر سناتے ہوئے قائد اعظم نے کہا کہ آیا فاضل جج صاحبان اس بات پر یقین کر سکتے ہیں کہ کدار ناتھ وزیر چند کو نہیں جانتا تھا؟ اگر اسے نام نہیں آتا تو وہ کہہ سکتا تھا کہ کوئی آدمی وہاں موجود تھا۔ اس کے بعد گواہ بھگت رام بھی ایسی کہانی سناتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ملزم کی پیٹھ اس کی طرف تھی ظاہر ہے کہ وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ ہر ایک گواہ ان الفاظ کے متعلق جو ملزم نے کہے مختلف بیانات دیتا ہے۔ چنانچہ بھگت رام نے کہا ملزم نے کہا تھا کہ ”جھڑیاں سونے کے کڑے ہیں۔“

تاکہ چند گواہ کا بیان ہے کہ ملزم نے کہا تھا کہ ”راج پال میرا دشمن نہیں بلکہ رسول اکرم ﷺ کا دشمن ہے۔“ گواہ سچا بند نے کم و بیش وہی الفاظ کہے جو تاکہ چند نے کہے۔ لیکن گواہ دو یا رتن جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے ملزم کو گرفتار کیا بالکل مختلف الفاظ بیان کرتا ہے۔ مسٹر جسٹس براڈوے اگواہ نے پہلے کہہ دیا ہے کہ وہ ملزم کے صحیح الفاظ بیان نہیں کر سکتا مگر اس کا شخص بتا سکتا ہوں۔

میں صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ آتمارام کھاڑی ایک سکھایا ہوا گواہ ہے اسے اسی روز معلوم ہو گیا تھا کہ راج پال مارا گیا ہے پھر شاشت پر پڑ ہوئی جس میں تین مرتبہ گھومنے کے بعد اس نے ملزم کو شاشت کیا۔ اس گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ ملزم کی ناک کے قریب ایک نشان ہے۔ کیا چھری بیچنے والا اس قدر ہار یک بین ہو سکتا ہے کہ وہ اس بات کا بھی خیال رکھے کہ خریداری کی ناک کے پاس نشان بھی ہے؟ گواہ کا اپنا بیان ہے کہ ملزم کے کان میں دھا کہ پڑا ہوا تھا حالانکہ اس کی بینائی بھی اچھی نہیں۔

اس گواہ کا بیان ہے کہ میں فروخت کی ہوئی چھریوں کو پہچان سکتا ہوں لیکن بعد ازاں اس نے غلط چھری کو شاشت کیا۔ چھریاں عدالت میں پیش کی گئیں۔ قائد اعظم نے نوٹی نوک والی چھری کی طرف جج صاحبان کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ خود ان چھریوں کو دیکھ کر بتلائیں کہ ان میں کیا تمیز ہو سکتی ہے کہ آتمارام بتلانے کے وقت کیسے اس قابل ہو گیا کہ وہ بتا سکے کہ یہ فلاں چھری ہے۔ ملزم کا بیان ہے کہ میں نے آتمارام کھاڑی کی دکان سے چھری نہیں خریدی۔

قائد اعظم نے فرمایا کہ سب انکسٹر کی شہادت ہے کہ ملزم کی شلواری میں پر خون کے نشانات تھے۔ ملزم کے دیگر حصوں پر بھی معمولی نشانات تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملزم کو بھی ضربات آئیں۔ ملزم کا بیان ہے کہ میرے ساتھ تشدد کیا گیا تھا۔ استناد نے کہیں بھی یقینی طور پر بیان نہیں کیا کہ ملزم کے کپڑوں پر خون کے جو نشانات تھے وہ اسی قتل کی وجہ سے تھے۔ طبی شہادت ہے کہ یہ نشانات شاید مقتول کے قریب آنے سے لگ گئے۔ یہ امر واضح ہے کہ ملزم مقتول کے نزدیک نہیں آیا۔ اس میں شک نہیں کہ خون کے نشانات کسی انسان کے خون کے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ یہ مقتول کے خون کے نشانات ہیں۔ اگر میری انگلی ڈھی ہو جائے تو اس کے اندر سے بھی کافی خون نکل آتا ہے جس سے میرے کپڑوں پر بڑے بڑے نشانات لگ سکتے ہیں۔

اس کے بعد قائد اعظم نے کہا کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ قاضی جج نے یہ فیصلہ کرنے میں غلطی کی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ دو ہندو ایسیر (جج) ملزم کو مجرم بتاتے ہیں لیکن دو مسلمان ایسیر اسے بے قصور ٹھہراتے ہیں۔ اگر اس وقت ہندو مسلم فرقوں میں کشیدگی تھی تو قاضی جج کا فرض تھا کہ وہ اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کرتا۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ ہندو ایسیروں کی رائے

فرقہ پرستانہ نہیں تھی؟ اس کے علاوہ قاضی جج نے شہادتوں سے بھی غلط نتیجہ مرتب کیا۔ آخر میں قائد اعظم نے کہا کہ ملزم جو ان ہے۔ راج پال نے بدنام کتاب شائع کر کے مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کیا تھا اس لیے سزائے موت سخت سزا ہے۔ ملزم پر دم کیا جائے۔ جج کے بعد عدالت نے سرکاری وکیل کا جواب سنے بغیر حاضریں کو باہر نکال دیا اور فیصلہ محفوظ رکھا۔ سرکاری وکیل کی جوابی تقریر کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی۔ اپیل خارج کر دی گئی۔ چار بجے کے قریب عدالت نے فیصلہ سنایا اور اپیل نامظور کر دی۔

یہاں یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ جب عدالت عالیہ نے غازی علم الدین کیس میں سیشن کے فیصلہ کو برقرار رکھا اور غازی علم الدین کی سزائے موت پر برقرار رکھی تو ہندو اخبارات نے مسٹر محمد علی جناح کے خلاف زبردست ذہرا لگنا شروع کر دیا۔ مشہور متعصب ہندو اخبار ”پرتاپ“ نے اس مسئلہ پر کئی نوٹ لکھے۔ ”مک شپ“ اور ”چلنٹ“ کے نام سے دو کالم چھپتے تھے ان میں قائد اعظم کو گریدا گیا۔ ایک جگہ لکھا کہ ”مسٹر محمد علی جناح کی قابلیت علم دین کو موت کے منہ سے نہ چھڑا سکی۔“ ایک جگہ لکھا کہ مسٹر محمد علی جناح کو ایسا مطلقاً کمزور مقدمہ لیتا ہی نہیں چاہیے تھا کیونکہ ہندوؤں کو ان کے خلاف ناوا جب شکایات پیدا ہو گئی ہیں۔“

قائد اعظم محمد علی جناح نے جس قابلیت سے مقدمہ کی پیروی کی اس پر روزنامہ ”الجمیعت دہلی“ نے اپنی اشاعت مورخہ 20 جولائی 1929ء کو ”مسٹر جناح کی باطل چٹان تقریر“ کے زیر عنوان انہیں مندرجہ ذیل الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا۔ ”لاہور ہائی کورٹ سے بھی میاں علم الدین کی اپیل کا فیصلہ صادر ہو گیا اور پچاسی کا جو حکم سیشن عدالت سے ہوا تھا وہی بحال رہا۔ قائد اعظم کی مدلل اور مؤثر تقریر کو پڑھنے کے بعد اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے دلائل کس قدر روزنی تھے اور انہوں نے ماتحت عدالت کی شہادتوں میں جن غلطیوں کا ذکر کیا تھا ان سے مقدمہ کس درجہ کمزور ہو گیا تھا مگر ہائی کورٹ کے ججوں نے خدا معلوم کن وجوہ کی بنا پر ان دلائل کو قابل اعتناء نہیں سمجھا۔ اس وقت ہائی کورٹ کا فیصلہ موجود نہیں ہے اس لیے ہم اس پر مفصل تنقید نہیں کریں گے۔ جب تک ہمارے سامنے اصل فیصلہ کے دلائل نہ آجائیں ہم یہ نہیں سمجھتے کہ قائد اعظم کی تقریر کے بعد پچاسی کی سزا کس طرح بحال رہ سکتی تھی۔“



کی محمد سے وفا تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

امریکہ میں آنیاں جانیاں

پاکستان سے دینی پیشواؤں، علماء، سکالروں، بیوروں کی آئے روز امریکہ "آنیاں جانیاں" دیکھ کر حیرانی و پریشانی ہوتی ہے۔ حیرانی اس بات پر کہ اس ملک میں وہی داخل ہو سکتا ہے جو امریکہ کی "صڈ بک" میں ہو اور پریشانی اس بات کی ہے کہ پاکستانی گمراہی کی دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہے اور یہ لوگ امریکہ کے مسلمانوں کو نیک بنانے چلے آتے ہیں۔

پاکستانی شہری ہوا و روہ بھی مذہبی پس منظر رکھتا ہوا ہے یا آسانی امریکہ کا ویزہ مل جائے؟ حیرانی و پریشانی تشویش میں بدل جاتی ہے۔ کسی مذہبی جماعت سے وابستہ پیشوا کو امریکہ کا ویزہ ملے تو کبھی جاؤ کہ امریکہ اس شخص پر مہربان ہے ورنہ امریکیوں کا مسلمانوں کے ساتھ "خدا واسطے کا ویزہ" ہے۔

تبلیغ کے لئے امریکہ تشریف لانے والے مبلغین اور دینی پیشواؤں سے یہاں کے لوگ پوچھتے ہیں کہ "کیا تمہارے پاکستان کے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں؟ اسلام کی زیادہ پاکستان میں ضرورت ہے۔ امریکہ کے مسلمان بہتر ہیں، یہاں منافقین کی تعداد کم ہے، امریکہ آنیاں جانیاں کرنے والے مذہب کے ٹھیکیدار پہلے اپنے ملک کے لوگوں کو ایمان کی دولت سے سرفراز فرمائیں۔"

امریکہ کو مذہبی طبقات سے تحفظات ہیں اس کے باوجود ایسے لوگوں کو ویزہ مل جانا کئی سوالات کو جنم دیتا ہے۔ جو پاکستانیوں کو اچھا نہ بنا سکے وہ امریکہ کے مسلمانوں کو اچھا بنانے چلے آتے ہیں۔ پاکستان کے لوگ امریکہ میں پاکستانی کیونٹی کو امریکہ کے قوانین کا احترام کرنے اور امریکی نظام کا حصہ بننے کا درس دیتے ہیں۔

امریکہ کے مسلمان جس صبر و تحمل اور حکمت کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ پاکستان میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے مگر اپنے ملک و قوم کی حالت درست کرنے کی بجائے امریکہ کے پھیرے لگائے جاتے ہیں۔

امریکہ کی اسلام دشمن کاروائیاں عیاں ہوتی جا رہی ہیں۔ ایک امریکی کپٹی نے دفتری اوقات کے دوران نماز پڑھنے پر 34 ملازمین کو نوکری سے فارغ کر دیا۔ بیشتر ملازمین تیس سال سے اس کپٹی میں ملازمت کر رہے تھے۔ کپٹی نے التزام مانگ لیا کہ ملازمین کو وقت کی پابندی قائم نہ رکھنے پر ملازمت سے فارغ کیا گیا ہے جبکہ مسلمان ملازمین کا کہنا ہے کہ آٹھ

کھٹے کی ملازمت کے دوران دس دس صوف کے دوڑ گئے، کچا پکے بیانی، گندہ ان وہ نماز ادا کرتے ہیں۔ ملازمین نے احتجاج کیا اور ملازمت پر بحال کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کا ملازمت سے نکالا جانا آزادی مذہب کے خلاف ہے۔

پاکستان کے وہ علماء اور چند راہنما جن میں امریکا کی پالیسی کے ہاتھ ہیں، امریکہ کی سرزمین پر امریکہ کے خلاف بولنے کی جسارت نہیں کر سکتے۔ امریکہ کے مسلمانوں کا "ایک مذہب" بن کر رہنے کے وعظ دینے والوں کے پیش نظر امریکہ میں اپنا داغ بیل جاری رکھنا ہے۔ امریکہ کے لوگوں کی جماعت میں جلوس نکالے گئے جسے امریکہ نے مانیزہ کیا اور قانون بنادیا کہ جو افراد اس جلوس کا حصہ بنیں اس کی حمایت کرنا ان کا شمار امریکہ کی بلیک لسٹ میں ہوگا۔

اس کے علاوہ امریکہ مخالف جماعت اور علماء، سچے والوں پر بھی لڑی لگا رہی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ امریکہ کے دوروں پر آنے والے علماء امریکہ کے لئے سانس لہہ لگتے ہیں۔ امریکہ کی مثبت تصویر کشی کی جاتی ہے۔ یہ وہ علماء پیشوا اور سکالر ہیں جو اپنے ملکوں میں یہود و نصاریٰ کے خلاف باج چڑھا کر ظاہر کیا کرتے تھے لیکن امریکہ کے تیور بدلتے ہی ان کا امریکہ مخالف رویہ بھی تبدیل ہو گیا۔ اب امریکہ کے حق میں اچھے پیشے بیان دیتے ہیں۔

پاکستانی جینٹل کے ایک نوجوان "میر صاحب" بھی داروں کی زبان میں بولتے ہیں۔ ان لوگوں کو علم ہے کہ امریکہ آنا ہے تو امریکہ کی مخالفت ترک کرنی ہوگی۔ "یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت" کا دھرم بدلنا ہوگا اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جو اپنی شخصیت یا اپنی جماعت کو مضبوط کرنا اور داروں میں تورا نہ لکھا کرنا چاہتا ہو۔

﴿بھکر یہ: نوائے وقت، 12 اکتوبر 2011ء﴾



جتنا میرے خدا کو ہے میرا نبی عزیز
جو کچھ تیری رضا ہے خدا کی وہی خوشی
گو ہم تمک حرام کئے نظام ہیں
شان کرم کو اچھے نمے سے غرض نہیں
دل سے ذرا یہ کہہ دے کہ اُن کا غلام ہوں
طیبہ کے ہوتے غلہ بریں کیا کروں حسن

کوئین میں کسی کو نہ ہوگا کوئی عزیز
جو کچھ تیری خوشی خدا کو وہی عزیز
قربان پھر بھی رکھتی ہے رحمت تیری عزیز
اُس کو سبھی پسند ہیں اُس کو سبھی عزیز
ہر دشمن خدا ہو خدا کو ابھی عزیز
مجھ کو بھی پسند ہے مجھ کو بھی عزیز

نہیں ہے کوئی خالی از معائب

سوائے انبیاء و مرسلین کے نبی کی آل اطہر ☆ نازیں کے
صحابہ ☆ اولیائے کالیس ☆ کے وہ عابد ہو کہ زاہد یا کہ تابع
نہیں ہے کوئی خالی از معائب
جو بے بہرہ ہو آداب نمی سے حد رکھتا ہو آداب نمی سے
زرا بھٹکا ہو آداب نمی سے اُسے زیبا ہے قصہ عجائب
نہیں ہے کوئی خالی از معائب
دیا جس نے یہ تابع کو لقب ہے بدھایا اُس نے اللہ کا غضب ہے
بنا وہ قند و شر کا سبب ہے بھلا ہو کیسے اس کی رائے صاحب
نہیں ہے کوئی خالی از معائب
وہ ناظم ہو کہ خادم ہو جہاں کا رہا نہ پاس ہے جس سے بیاں کا
قلم اس کا مسلمان ہے کہاں کا بدھائے جو مسلمان کے مصائب
نہیں ہے کوئی خالی از معائب
گناہوں سے بڑی انسان کہاں ہے خطا میں مبتلا ہر جسم و جاں ہے
مرد عسیاں کا ہر اہل جہاں ہے ہے معصومین میں یہ نقص غائب
نہیں ہے کوئی خالی از معائب
جو تابع ہو وہ کیسے بے خطا ہے یہی کافی اسے روز جزا ہے
لی توفیق توبہ ' مرحبا ہے رہے ازہر ذرا مفہوم تابع
نہیں ہے کوئی خالی از معائب
خدی خواں نعت کا تابع بجا ہے وقع اُس کا ثناء میں مرتبہ ہے

یہی اعزاز تابع ہے یا نہی یہی واپس تعلق کے صاحب
نہیں ہے کوئی خالی از معائب
حقیقت جانتا ہر اہل دنیا ہے حق یہ نال مد آفریں ہے
مہر نعت کا کوئی نہیں ہے نہ نال نہ مرے دیں کے شواہب
نہیں ہے کوئی خالی از معائب
جہالت علم کا اوجہ اہل کسہ ہم و بصیرت کا بڑا
بھرے حق کوئی ہائے اہل کسہ ہم شہر ہوئے یکجا زوابع
نہیں ہے کوئی خالی از معائب
خوشامد کی بھی کوئی نہ ہو گی کسی تو یہ ذلات زد تو ہو گی
صحیح اپنی یہ عادت نہ ہو گی وہی کے کب تک ہم یونہی غائب
نہیں ہے کوئی خالی از معائب
دبا القاب کی بدعتی ہی ہائے یہ دیکھ کی طرح ایماں کو کھائے
ہے کوئی جو ہمیں اس سے چاہے ہوئے غافل نمی کے آج تابع
نہیں ہے کوئی خالی از معائب
روابط کو نہ غم خاطر میں لاؤ حقائق سے نہ یوں آنکھیں چراؤ
سدا مجبور جج کے گیت گاؤ یہ دیں میں آگے کیسے غراب
نہیں ہے کوئی خالی از معائب

☆

☆

☆



حضرت اسماعیل بن زید علیہ السلام کا فرمان ہے کہ قیامت کے روز سب لوگوں سے زیادہ اللہ رب العزت کے قریب وہ
ہوگا جس کا فائدہ پیاس اور غم دنیا میں طویل مدت تک رہا ہو۔ اگر وہ غائب ہو جائے تو لوگ تلاش کر لیں اور وہ بات کو
لوگ بستر بچا لیتے ہیں تو وہ رب کے حضور پیشانیاں اور گھٹنے بچا لیتے ہیں اور وہ زمین اٹھ کوئی پہاڑ دلی ہے۔ جب
تو ان کو کسی شہر میں دیکھ لے تو یہ جان لے کہ وہ لوگ اُس شہر میں ایمان کی علامت ہیں۔



قدوة الاولیاء حضرت اعلیٰ مولانا خواجہ غلام مرتضیٰ بیربلوی قدس سرہ کا شمار دو درجہ ممتاز علماء کرام اور جلیل القدر مشائخ عظام میں ہوتا ہے۔ آپ کے علمی مقام و مرتبہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی متعدد عربی کتب کو پنجاب یونیورسٹی کے کئی طلباء و طالبات نے ایم اے اور ایم فل (عربی) کے تحقیقی مقالات کے طور پر مرتب کیا ہے۔ اس وقت پنجاب یونیورسٹی میں آپ کی ایک کتاب "خمس الضحیٰ شرح بدر الدجی فی حدیث المصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام" کو جامعہ نظامیہ لاہور کے سابق طالب علم مفتی محمد اکرم نقوی پی ایچ ڈی مقالہ کے طور پر مدون کر رہے ہیں۔

ایک مضبوط علمی پس منظر کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک مستقیم الاحوال صوفی اور راسخ العقیدہ سنی بزرگ اور حقیقت و سہیت کے زبردست داعی و علمبردار تھے۔ حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ نے "تذکرہ اکابر اہلسنت" میں آپ کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے اور آپ کی راسخ العقیدگی اور سلامت فکری و عملی کے متعدد شواہد پیش کئے ہیں۔

حضرت اعلیٰ بیربلوی رحمہ اللہ ۱۳۵۱ھ تا ۱۴۳۵ھ میں بیربل شریف شاہ پور ضلع سرگودھا کے معزز و معروف علمی و دینی خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد اسلم رحمہ اللہ عالم باعمل اور عارف کامل تھے۔ آپ کے جد امجد حضرت مولانا صدر الدین کے علاوہ آپ کی جدہ محترمہ بھی عالمہ و فاضلہ تھیں۔ مشکوٰۃ شریف کا جو نسخہ اس قابل صد احترام خاتون نے اپنے قلم سے لکھا اب تک کتب خانہ عالیہ میں محفوظ ہے اور حضرت مولانا محبوب عالم سوہاوی رحمہ اللہ کی نظر سے گزرا ہے چنانچہ وہ اپنی مشہور مثنوی "نور البصار" میں علم فرماتے ہیں۔

نہیت علم فقط بقول رجال حافظ و عالم مستورہ حال
دفتر مشکوٰۃ کہ من خواندہ ام از قلم جدہ اش آمد رقم
☆ اس خاندان میں علم صرف مردوں تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ کئی خواتین حافظہ و عالمہ ہوئی ہیں۔ ☆ میں نے مشکوٰۃ شریف کا ایک نسخہ مطالعہ کیا ہے جو آپ (حضرت اعلیٰ) کی جدہ محترمہ کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ (انوار مرتضوی ص: ۷۱)

حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰ قدس سرہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور جلد ہی حفظ کلام اللہ سے فارغ ہو کر فارسی علم سکندر نامہ اور فتاویٰ صلوٰۃ مسعودی تک کی کتابیں انہیں سے پڑھیں۔ ابھی کم سن ہی تھے کہ والد بزرگوار کا انتقال

ہو گیا۔ "انوار مرتضوی" جو آپ کا اولین اور مستند ترین تذکرہ ہے، میں ہے کہ وصال کے وقت کسی شخص نے اُن سے کہا کہ اپنے اکلوتے نور نظر کو کسی کی کفالت میں کر جائیں؟ اس نیک نفس اور توکل شعار مرد خدا نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا حوالہ بخدا۔ اس شخص نے تین مرتبہ اپنی تجویز دہرائی اور تینوں مرتبہ آپ نے یہی جواب دیا۔

پس وہ بتو مایہ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را
والد گرامی کے وصال کے بعد تکمیل علوم کے لیے شہ شریف (تحصیل پنڈ واد خان ضلع جہلم) گئے جہاں امام الاولیاء مولانا خواجہ غلام نبی لٹھی قدس سرہ کے آگے ڈانٹے تلمذ تہ کیا اور بہت تھوڑے عرصہ میں تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے۔

دوران طالب علمی میں سراج السالکین، خمس العارفین حضرت مولانا خواجہ غلام نبی الدین قصوری دایم الخضوری قدس سرہ جو آپ کے استاذ فیض ملاذ کے پیرو مشہور تھے، سے شرف بیعت حاصل کیا۔ حضرت قصوری نے ابتدائی تلقین اور توجہ کے بعد عریض تربیت و تکمیل کے لیے آپ کے استاذ گرامی حضرت لٹھی کے سپرد کر دیا۔ حضرت لٹھی نے اس ہونہار طالب و سالک کو بہت جلد علم و عرفان کی انتہائی بلندیوں تک پہنچا دیا اور بیک وقت سند فضیلت اور دستار خلافت سے نوازا۔ اس کے بعد آپ کو وطن مالوف واپس جا کر مدرسہ خانقاہ قائم کرنے کا حکم دیا اور برکت کے لیے اپنے چند طلبہ کو بھی تحصیل علوم کے لیے اُن کے ساتھ روانہ کر دیا۔

استاذ و مرشد کے حکم کے مطابق آپ نے آتے ہی تدریس و تعلیم اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی اور طالبان علم و عرفان کا اس قدر ہجوم ہونے لگا کہ مسجد و مدرسہ اور خانقاہ میں تل وحر نے کو جگہ نہ ملتی تھی۔

عوام الناس کی ایک کثیر تعداد میں فیض یابی کے ساتھ ساتھ آپ سے علمی و روحانی استفادہ کرنے والوں میں جلیل القدر علماء ادباء، شعراء اور مشائخ بھی شامل ہیں۔ جن میں حضرت مولانا محبوب عالم سوہاوی رحمہ اللہ (جن کی عربی کتاب "تفسیر سورۃ الفجر" کو پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے عربی کے ایک طالب علم نے تحقیقی مقالہ کے طور پر مرتب کیا ہے) حضرت قاضی غلام محمد شاہ پوری، حضرت میر سلطان سکندر شاہ خوشابی، حضرت قاضی عطاء محمد تلوی، حضرت مہاں اللہ دین خوشابی، حضرت مفتی شاہ عالم بیربلوی، حضرت مولانا شمس الدین سہروردی، حضرت مولانا نور الدین دہلوی، حضرت قاری اللہ علی فیض پوری اور حضرت صوفی محمد ابراہیم قصوری (مصنف خزینہ معرفت) کے علاوہ سرہند شریف کے سجادہ نشین حضرت صاحبزادہ سید احمد حسن اور قصور شریف کے سجادہ نشین حضرت میر سید محمد شاہ قصوری وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

آپ کے صاحبزادگان میں حضرت ثانی مولانا احمد سعید صاحب، حضرت مولانا محمد سعید اور حضرت مولانا غلام رسول

نے عظیم والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تعلیم و تعلم اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ ”انوار مرتضوی“ کے مطالعہ سے ان کے حالات و مقامات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ دور حاضر میں ان کے نبیرگان حضرت خواجہ صاحبزادہ محمد عمر اور حضرت مولانا خواجہ فخر الدین آسان علم و عرفان پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے ہیں۔

پہر علم و روحانیت کا یہ آفتاب جہاں تاب ۱۵ رجب المرجب ۱۳۲۱ھ / ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو غروب ہوا۔ متعدد اہل علم و فن نے مختصر اور طویل قطعات و مشنویات عربی و فارسی و اردو میں آپ کی تاریخ و وفات کہی ہے۔ ان میں حضرت حکیم عبد الرسول بکھروی مصنف ”انوار مرتضوی“ کی طرف سے بھی کئی نظموں میں آپ کی تاریخ و وفات کہی گئی ہے۔ ان میں سے ایک تاریخ و وفات یہ بھی ہے۔

بہروز دل بگفتا عہد تاریخ کہ شد از ماہاں شمس جہاں تاب
۱۳۲۱ھ

غیر مقلد بیت کا رد:

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بیان کا چاچکا ہے کہ حضرت اعلیٰ مولانا خواجہ غلام مرتضیٰ ؒ ایک راسخ العقیدہ و سخی خفی عالم و عارف تھے۔ آپ نے جس دور میں تعلیم و تربیت اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا یہ وہ دور تھا جب برصغیر پاک و ہند میں انکار تقلید کے فتنے نے سراغایا اور اس کی زد میں بڑے بڑے مدعیان علم آ گئے۔ یہ اسلام کی دینی تاریخ کا ایک توجہ طلب پہلو ہے کہ نفس و خروج کا فتنہ ہو یا اعتزال و انحراف کا انکار حجت حدیث کا فتنہ ہو یا انکار ختم نبوت کا سب کے پیچھے اور سب کی تہہ میں یہی انکار تقلید کا جذبہ کام کرتا نظر آتا ہے۔

علماء حق نے ہر دور میں ہمیشہ اشاعت علوم و تعمیر اخلاق اور اصلاح رسوم کے ساتھ ساتھ صحیح عقائد کا فریضہ بھی سر انجام دیا ہے اور حمایت سنت اور رد بدعت کا جوش و خروش سے مظاہرہ کرتے ہوئے ہر قسم کے لکری اور اعتقادی فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ حضرت اعلیٰ مولانا خواجہ غلام مرتضیٰ بیرویلوی ؒ نے بھی اپنے فکر و عمل سے علماء کے اس تاریخی کردار کو زندہ رکھا اور اسلاف کی اس عظیم روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنے استاذ و مرشد حضرت مولانا خواجہ غلام نبی لکھنوی ؒ کے ساتھ مل کر خاص طور پر غیر مقلد بیت اور قادیانیت کے فتنوں کا زبردست رد کیا اور اپنے زیر اثر علاقے (مغربی و وسطی پنجاب) میں اپنی خدا داد بصیرت و فراست اور حدیث الشال ہمت و کوشش سے ان کے آگے بند باندھ دیا۔

حضرت اعلیٰ بیرویلوی قدس سرہ کو درس و ارشاد اور تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ فن بحث و نظر (مباحثہ و مناظرہ) میں بھی یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ خاص طور پر غیر مقلدین کے ساتھ آپ کے کئی کامیاب مناظروں کا ذکر صاحب ”انوار مرتضوی“

اور ”تذکرہ اعلیٰ حضرت“ کے مصنف نے کیا ہے۔

حکیم نور الدین بھیروی کی تاریخی شکست:

ان میں سے ایک تاریخی مناظرہ کوٹ بھائی خاں (جو بیریل شریف سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر جھاد پان شاہ پرورد پور واقع ہے) میں حکیم نور الدین بھیروی کے ساتھ ہوا۔ یہ بھی لمحہ فکر یہ ہے جس کا ذکر ہم سطور بالا میں اشارہ عرض کر چکے ہیں کہ حکیم نور الدین جو بعد میں مرزا غلام قادیانی کا نام نہاد خلیفہ اول بھی بنا، تعلیم سے فراغت کے بعد سب سے پہلے انکار تقلید کے فتنے میں مبتلا ہوا اور کوٹ بھائی خاں میں غیر مقلدین و ماہیہ کی طرف سے مناظرہ کے لیے آیا۔ حضرت اعلیٰ غلام مرتضوی بیرویلوی ؒ بنفس نفیس اس کے خلاف میدان مناظرہ میں اترے اور اسے ایسی شکست فاش دی کہ وہ راتوں رات کوٹ بھائی خاں سے بھاگ گیا۔ بلکہ اس کے بعد ہمیشہ کے لیے بھیرو کو بھی خیر آباد کہہ گیا۔

اس تاریخی مناظرہ کی کچھ تفصیل حضرت اعلیٰ کے نبیرہ معظم اور نائب اعظم حضرت اقدس صاحبزادہ محمد عمر بیرویلوی ؒ نے ”تذکرہ حضرت اعلیٰ“ میں بھی دے ہے جس کا اعادہ قارئین کے لیے دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

”حکیم نور الدین جو مرزاانیت کے خلیفہ اول تھے اپنے مسکن بھیرو میں مقیم تھے اور علمیت کے بل بوتے پر وہ حنفیت سے وہابیت میں چلے گئے تھے۔ ان کے علم کا کسے انکار ہے؟ اور وہ اپنے دینی علوم میں یگانہ روزگار تھے حتیٰ کہ علم نے ہی ان کو تباہ و برباد کیا۔ فقال انما اوقعہ علی علم کے مطابق وہ ایسے گرے کہ سنبھل نہ سکے۔ کوٹ بھائی خاں میں اپنی وہابی برادری میں آئے اور کسی مسئلہ کی پیچیدہ چھانڈ شروع ہوئی۔ کوٹ بھائی خان بیریل سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ مقامی مسلمان حضرت اقدس کو ان سے بات چیت کے لیے لے گئے۔ ”آمین بالجبر“ کا جھگڑا تھا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کیوں بلند آواز سے آمین کہی جائے؟ کہا بخاری شریف میں آتا ہے ﴿و اذا قال الامام ولا الضالین قولوا آمین﴾ بخاری کا طریقہ ہے جب قولوا کا لفظ استعمال کرے تو اس لفظ سے منقوع بلند آواز سے کہنا ہوتا ہے تو صحت آپ نے فرمایا کہ بخاری میں آتا ہے ﴿و اذا قال الامام مسمع الله لمن حمده قولوا ربنا لک الحمد﴾ پھر کہیں بلند آواز سے ربنا لک الحمد نہیں کہا جاتا۔ اس پر ایک اور حدیث حکیم نور الدین صاحب نے پڑھی۔ آپ نے فرمایا یہ کس کتاب میں ہے؟ حکیم صاحب نے کہا بخاری میں۔ آپ نے فرمایا بخاری میں نہیں۔ اس پر وقت شام ہو گیا اور دوسرے دن پر بحث ٹھہری۔ لیکن حضرت کو بعد میں خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موجود ہو۔ آپ نے رات بھر میں تمام بخاری آگھوں سے نکال دی اور وہ حدیث نہ پائی۔ لیکن حکیم صاحب راتوں رات بھیرو چلے گئے اور میدان ایسا ہر گئے کہ بھیرو کی اقامت بھی ہمیشہ کے لیے رک ہو گئی۔ یہ حضرت (اعلیٰ) ؒ کی بڑی کرامت تھی کہ آپ نے جس سے بحث کی وہ بھر

میشہ کے لیے ہار گیا۔ (ص: ۶۰-۷۰)

ردِ قادیانیت:

حضرت اعلیٰ مولانا غلام مرتضیٰ بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف فقہان کا عقیدہ کی سرکوبی ہی نہیں کی بلکہ فقہان کا رستم نبوت کا بھی استیصال کیا۔ صاحب ”انوار مرتضوی“ نے صفحہ: 97-98 پر اس حوالے سے ایک مکتوب کا اندراج کیا ہے جس میں آپ نے مرزا قادیانی کا ردِ بلیغ مختصر اور جامع انداز میں کیا ہے۔ اس تاریخی مکتوب میں آپ فرماتے ہیں۔

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

﴿قال الله تعالى﴾ ومن اظلم ممن افترى على الله كذبا او قال اوحى ولم يوح اليه شي ومن قال سائلون مثل ما انزل الله ولو ترى اذ الظالمون في غمرات الموت والملائكة باسوطا اليهم اخرجوا انفسكم اليوم تجزون عذاب الهون بما كنتم تقولون على الله غير الحق وكنتم عن آياته تستكبرون﴾

عقائد مرزا قادیانی مخالف آیات صریحہ واحادیث صحیحہ ومخالف اجماع امت وکشف اولیاء متقدمین ومتأخرین است۔ فلا يتبعه الا جاهل او زنديق او مجنون او متعصب في الدين۔ البته او را در فن انشاء پردازى عربی و فارسی دخلی هست۔ لهذا بعضی اشخاص ضعیف الایمان کہ از عقل بہرہ کلی ندارند تہر تحریرات و تقریرات او فریفتہ و شبفتہ می شوند و ادعائے کاذبہ او مثل نبوت و ولایت و غیر ذلک را تصدیق می نمایند۔ فویل لهم ثم ویل لهم۔ اعوذ بالله ان اکون من الجاهلین۔ دعوائے نبوت و مثیل مسیحا و مہدی بودن از طرف مرزا قادیانی محض دروغ ہے فروغ است۔ زیرا کہ بنا بر تصدیق این دعوائی هیچ دلیل قوی نزد ایشان نیست کہ خصم او را تسلیم نماید۔ محض الہام و کشف حجت بر غیر قائم نہ گردد کما تقرر فی علم الکلام وقد جرّ بنا مراراً ان صاحب الکشف یغلط كثيراً۔ مع هذا این جنیس کشف کہ مخالف حق صریح باشد معتبر نیست۔ ظاہر ست کہ ایشان را مگر حظّ از ولایت بودے تا احدی از ہمنشینان ایشان البتہ مؤدب و مہذب گردیدے و اخلاق ذمیمہ او مبدل بہ اوصافی حمیدہ گشتے۔ حالانکہ حملہ احباب ایشان را الآن کما کان می بینم۔ هیچ کس را دل از دنیاے دون سرد نگرددیدہ و نہ هیچ کس کما حقہ راغب بعبادت الہی است۔ چہ خوش گفت۔ ان الاوفع الی اوج القبول اوصل وان الناس کالتبیحۃ تابعون للاخس الازل۔

سو ختم از دست صرافان گوہر ناشناس قیامت خبر مہرہ را بساغر برابر می کنند

من یہدی اللہ فہو المہتدی ومن یضلل فلن تجد له ولیاً مرشداً والسلام علی من اتبع الہدی والنزم متابعة المصطفیٰ علیہ وعلی آلہ التحیۃ والثناء۔

ترجمہ: حمد و سلام کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کتاب مقدس میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ ہاندھا اور کہا کہ مجھے وحی ہوئی ہے حالانکہ اس کی طرف کوئی وحی نہیں ہوئی اور جس نے یہ کہا کہ میری طرف بھی وحی اترے گی؟ جس طرح اللہ نے پہلے نبی برحق پر اتاری ہے۔ کاش کہ تو دیکھتا یا وہ منظر تیرے سامنے ہوتا جب یہ ظالم موت کی طغیوں میں ہوتے اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو پھیلائے کہہ رہے ہوتے کہ اپنی جانوں کو نکالو۔ آج جنہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ اس وجہ سے تم اللہ کی طرف ناحق منسوب کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے انکار کرتے تھے۔ (الانعام: ۹۳) مرزا قادیانی کے عقائد آیات صریحہ واحادیث صحیحہ و اجماع امت اور کشف اولیاء متقدمین ومتأخرین کے مخالف ہیں۔ اس کی بیرونی صرف وہی کر سکتا ہے جو جاہل یا زندق یا مجنون (پاگل) یا جودین میں تعصب رکھتا ہو البتہ اسے فن انشاء پردازى عربی و فارسی میں مہارت حاصل ہے لہذا بعض اشخاص ضعیف الایمان جو عقل سے بہرہ کلی نہیں رکھتے اس کی تحریرات اور تقریرات پر فریفتہ اور شبفتہ ہو جاتے ہیں اور اس کے ادعائے کاذبہ (جھوٹے دعویٰ) مثل نبوت و ولایت و غیرہ کی تصدیق کرتے ہیں۔ پس خرابی ہے ان کے لیے ہاں! خرابی ہے ان کے لیے۔ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ مرزا قادیانی کی طرف سے نبوت اور مثیل مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ محض دروغ ہے فروغ اور سر اسر جھوٹ ہے جو کوئی فائدہ نہیں دے سکتا کیونکہ اس دعویٰ کی تصدیق میں کوئی ایسی دلیل ان کے ہاں ایسی نہیں جسے فریق مخالف تسلیم کرے۔ محض الہام و کشف غیر پر حجت نہیں ہو سکتا جیسا کہ علم کلام میں طے ہو چکا ہے اور ہم نے اس کا بارہا تجربہ کیا ہے کہ صاحب کشف بسا اوقات لفظی میں پڑ جاتا ہے۔ مع ہذا اس قسم کا کشف جو کہ حق صریح (واضح) کے مخالف ہو معتبر نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ ان کو اگر ولایت سے کچھ حصہ اور بہرہ حاصل ہوتا تو ان کے ہم نشینوں (صحبت میں بیٹنے والوں) میں سے کوئی ایک تو ضرور مؤدب اور مہذب ہو جاتا اور اس کے اخلاق ذمیمہ اوصاف حمیدہ سے تبدیل ہو جاتے۔ جبکہ حال یہ ہے کہ ان کے تمام احباب جیسے پہلے تھے ویسے ہی الآن کما کان کچھ دیکھتا ہوں کسی کا دل دنیاے دون سے سرد نہیں ہوا اور نہ کوئی کما حقہ عبادت الہی کی طرف راغب ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ہذا میں گوہر شناس صرافوں (سواروں) کے ہاتھ سے مل اٹھا ہوں جو خمرہ کی قیمت موتی کے برابر بتاتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تو تم کوئی اس کا دوست نہ دگا اور مرشد راہ دکھانے والا ہرگز نہ پاؤ گے اور سلاخی ہو اس پر جس نے ہدایت کی بیروی کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کو لازم جانتا۔

قومی اعزازات کی لوٹ مار

یہ 1956ء کی بات ہے جب حکومت پاکستان نے اعلیٰ ترین کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والی شخصیات کو سول ایوارڈ دینے کا فیصلہ کیا چنانچہ پہلی بار 19 مارچ 1957ء سے پاکستان کے سب سے بڑے سول اعزاز ”نشان پاکستان“ کا اجراء ہوا۔ یوں ہر سال یوم آزادی کے موقع پر ان ایوارڈز کے لئے نامزدگیوں کا باقاعدہ اعلان کیا جانے لگا اور نامزد افراد کو یہ اعزازات اگلے سال 23 مارچ کو دیئے جانے لگے۔ قارئین محترم! پاکستان کے یہ اعلیٰ ترین سول ایوارڈز پانچ اقسام کے ہیں۔ ایوارڈ کی ہر قسم کو چار درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نشان پاکستان کے بھی چار درجے ہیں یعنی نشان پاکستان، ہلال پاکستان، ستارہ پاکستان اور تمغہ پاکستان۔ اسی طرح نشان شجاعت، نشان امتیاز، نشان قائد اعظم اور نشان خدمت کے بھی چار درجے ہیں جو بالترتیب نشان ہلال، ستارہ اور تمغہ کہلاتے ہیں۔

نشان پاکستان پاکستان کا سب سے اعلیٰ ترین سول اعزاز ہونے کی بنا پر خاصی تحقیق اور جانچ پڑتال کے بعد ذمگی کے مختلف شعبوں اور ملک قوم کے لئے اعلیٰ ترین خدمات انجام دینے پر دیا جاتا ہے۔ آئین کی شق 259(2) کے تحت ہر ایسے پاکستانی شہری کو جس نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قومی خدمت سرانجام دی ہو، نوٹن لطیفہ، لٹریچر، سائنس، کھیل اور نرسنگ کے شعبے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہوں کو ان اعزازات کے لئے نامزد کیا جاتا ہے۔ جنہیں مختلف سطحوں پر قائم کمیشنیں سفارشات اور کارکردگی کا جائزہ لینے کے بعد فائل کرتی ہیں۔ پھر سرکاری کھل میں کابینہ ڈویژن ان کو منظوری کے لئے مجاز اتھارٹی وزیر اعظم اور صدر کو بھیجتی ہے۔ ماضی کی حکومتوں نے سیاسی وابستگیوں اور تمام تر اقرباء پروری کے باوجود بڑی حد تک ان اصول و قواعد کا خیال رکھا مگر افسوس کہ موجودہ حکومت نے سیاسی وابستگیوں، اقرباء پروری اور قومی وسائل کی بندر بانٹ کے تحت اس سال قومی اعزازات کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

یوم آزادی کے موقع پر صدر مملکت نے جن 185 شخصیات کے لئے قومی اعزازات کا اعلان کیا، ان میں سے بیشتر کا تعلق نہ صرف خود ان کی اپنی جماعت سے ہے بلکہ ان میں سے کئی ایک اہم حکومتی عہدوں پر بھی فائز ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حکومت نے قومی اعزازات کو ”اندھے کی ریوڑیوں“ کی طرح انہوں میں بانٹ کر ان اعزازات کے لیے طے شدہ اصول و قواعد اور میرٹ کی وجہاں آزادی ہیں۔ کیونکہ حکومت کی جانب سے نشان امتیاز سے نوازے جانے والوں

میں فاروق نائیک چیئر مین سینٹ ہیں، میجر منتخب ہونے سے قبل وہ آصف علی زرداری کے وکیل کے طور پر فرائض انجام دیتے رہے ہیں، ہمیدہ مرزا اسٹیکر قومی اسمبلی ہیں اور میٹلز پارٹی سے ان کی اور ان کے شوہر کی وابستگی کسی سے دھکی مچی بات نہیں ہے۔ عبدالرحمان ملک وزیر داخلہ ہیں، ملک وقوم کے لئے ان کی کیا خدمات ہیں، سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ اسی طرح سلمان فاروقی صدر مملکت کے پرنسپل سیکرٹری اور ایوان صدر ہی میں براہجان ہیں۔ ہلال امتیاز سے نوازے جانے والوں میں صدر زرداری کے معتمد خاص فرحت اللہ بابر امریکہ میں پاکستان کے سفیر حسین حقانی، بے نظیر آگم سپورٹ پروگرام کی انچارج فرزانہ راجہ، جنہیں وفاقی وزیر کا درجہ بھی حاصل ہے اور صدر زرداری کے ایک اور رفیق کار بیت المال کے چیئر مین زمر دغان بھی شامل ہیں۔

مال مفت، دل بے رحم کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی کہ ستارہ امتیاز اپنے ماتھے پر سجانے والوں میں پاکستان بڑاڈ کاسٹنگ کارپوریشن کے ڈائریکٹر جنرل مرتضیٰ سولگی، صدر مملکت کی بہت قریبی شخصیت اور کابینہ ڈویژن کی سیکرٹری زمر سیدھی (جو خود ان اعزازات کو پوسٹس کرنے کی ذمہ دار ہیں) صدر کے پرنسپل سیکرٹری سلمان فاروقی کی بھتیجی شرمیلا فاروقی، متحدہ کی رکن قومی اسمبلی خوش بخت شجاعت، مبشر لقمان (جو مشرف دور حکومت میں پنجاب کے گھراں وزیر رہ چکے ہیں اور دیگر بینکر پرسنز کے مقابلے میں حکومت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتے ہیں) اور قاسم ضیاء بھی شامل ہیں جو میٹلز پارٹی پنجاب کے صدر رہ چکے ہیں اور آج کل ہاکی فیڈریشن کے بھی صدر ہیں۔

حیرت کی بات ہے کہ اعزازات کی اس بندر بانٹ میں خود صدر مملکت نے اپنے لیے کوئی اعزاز نہیں رکھا، نہ ہی انہوں نے وزیر اعظم کے لئے کسی تحفے کا اعلان کیا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ایک ایوارڈ بلاول بھٹو زرداری کے لئے بھی رکھ دیا جاتا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب متحدہ قومی موومنٹ کی خوش بخت شجاعت کے لئے ستارہ امتیاز کا اعلان کیا تھا تو حکومت کی دوسری اتحادی جماعتوں کے عہدیداروں کے لیے بھی کسی نہ کسی ایوارڈ کا اعلان کر دیا جاتا، کم از کم غلام احمد نور کو ریلوے کا بڑا فرق کرنے پر ضرور کسی نہ کسی اعزاز کا مستحق قرار دیا جانا چاہیے تھا۔ اسی طرح مفاہمتی سیاست کے بادشاہ اور بیک وقت حلیف اور حریف کاؤنل کردار ادا کرنے کے ماہر فضل الرحمن کو بھی اس کنگڈم میں شامل کر لیا جاتا تو کیا بات تھی کہ ہمیشہ جناب شیخ کا قدم ادھر بھی ہوتا ہے اور ادھر بھی۔

ارے اگر ایوارڈ ہی دینا تھا تو وزیر اعلیٰ بلوچستان سے زیادہ اور کون اعزاز کا مستحق ہو سکتا تھا کہ جن کی مختلف کھیلوں کے لئے مترجم کی ضرورت پڑتی ہے اور جن کے بارے میں لطیفہ مشہور ہے کہ انہوں نے تلہر کی اذان کے وقت روڈ افطار کر لیا، سیکرٹری نے ڈرے ڈرے بتایا تو شان بے نیازی سے بولے ”اذان اذان ہوتی ہے چاہے تلہر کی ہو یا مغرب کی“۔ مگر صد

اہم افراد کو نظر انداز کر کے قومی اعزازات چاہنے کے طریقہ کار پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ حکومت نے زیادہ تر قومی اعزازات اپنے ذاتی مباحوں، پارٹی کارکنوں، شاف ممبروں اور خوشامدیوں میں بانٹ کر ان قومی اعزازات کے مرتبے و مقام کی توہین کی ہے۔ سچی وجہ ہے کہ قائد حزب اختلاف اس اعلان کو قوم کے ساتھ مذاق سے تشبیہ دے رہے ہیں جبکہ دوسری جانب ممتاز آئینی و قانونی ماہرین قومی اعزازات کی جیالوں میں تقسیم پر ناراض ہیں اور وطن ملک کو نشانہ امتیاز دینے کے فیصلے کو آئین کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ صدارتی معافی نامے کے باوجود جرم برقرار رہتا ہے اور کسی سزا یافتہ شخص کو قومی ایوارڈ نہیں دیا جاسکتا، کیا ایسے اشخاص جو کہ ذمہ دار سرکاری اور حکومتی عہدوں پر فائز ہیں اور جن کی کارکردگی قوم کے لئے غیر تسلی بخش ہے مگر اس کے باوجود یہ لوگ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض منصبی سے زیادہ قومی خزانے سے مراعات اور سہولیات وصول کر رہے ہیں، کون قومی اعزازات کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے؟

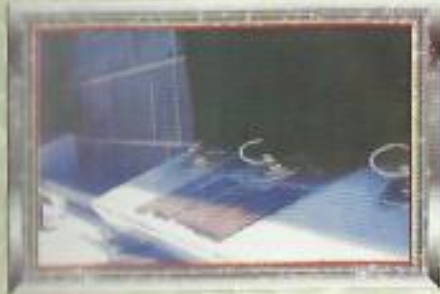
حیرت ناک امر یہ ہے کہ وہ لوگ جو اپنی ذمہ داریوں کے اہل بھی ثابت نہیں ہو رہے آخر انہوں نے ایسی کونسی قومی و ملکی خدمت اور کارنامہ سرانجام دیا ہے جس کی بنیاد پر انہیں ان اہم اعزازات کا مستحق قرار دیا گیا ہے؟ کیا ہی اچھا ہوتا کہ جن لوگوں کو قومی اعزازات دینے کے لئے منتخب کیا گیا ہے، میڈیا کو ان کی خدمات کی وہ فہرست بھی جاری کر دی جاتی جن کے باعث انہیں اعزازات کا مستحق سمجھا گیا، خاص طور پر فاروق نائیک، فہیدہ مرزا، عبدالرحمان ملک، سلمان فاروقی، فرحت اللہ ہايد، مرتضیٰ سولگی، صوبہ سندھ کی مشیر شرمیلا فاروقی، موجودہ کیمپٹ سیکرٹری اور وزیراعظم کی سابق پرنسپل سیکرٹری زمر سیدھی، امریکہ میں پاکستان کے سفیر حسین جتانی، بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی سربراہ فرزانہ راجہ، پاکستان بیت المال کے چیئرمین زمر خان اور متحدہ کی رکن قومی اسمبلی خوش بخت شجاعت کی غیر معمولی خدمات جاننے کے لئے قوم تو ویسے بھی بے تاب ہے۔

کبلی پارٹی تاریخ میں اتنی بڑی تعداد میں ایک ہی سیاسی جماعت کے افراد کو اس طرح اعلیٰ ترین قومی اعزازات کے لئے منتخب کرنا یقینی طور پر باہروردی اور بندر بانٹ کے ذمے میں آتا ہے۔ اگر غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے تو ان صاحبان کا ایسا کوئی خاص کارنامہ جس کی بنیاد پر انہیں اعلیٰ ترین اعزازات کے لئے منتخب کیا جاسکتا ہے، ثابت کرنا بہت مشکل ہے جبکہ یہ اعزازات ان افراد کو دیئے جاتے ہیں جنہوں نے ایسی کوئی قومی خدمت سرانجام دی ہو جس کی نظیر ملنا مشکل ہو یا ملک و قوم کی بہتری کے لئے ایسا کارنامہ انجام دیا ہو جس سے قوم کا سرخرو سے بلند ہو جائے۔

امرواقعہ یہ ہے کہ اس سال حکومت نے سول اعزازات کی جو بے توقیری کی ہے ماضی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی جس طرح ریویڑیوں کی مانند یہ اعزازات انہوں میں بانٹے گئے ہیں اور ایسے ایسے لوگوں کو نوازا گیا ہے جن کی قومی و ملی خدمات خود بین سے تلاش کرنے پر بھی نظر نہیں آتیں۔

کعبہ دین و ایمان کے دونوں ستونوں

ساعدا بن رسالت پہ لاکھوں سلام



اگر وہاں کوئی ایسا شخص ہو جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم الشان عبادت گاہ کی تعمیر کے لئے زمین سے لے کر آسمان تک ہر شے کی مدد کی ہو، تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازا ہوگا۔

بیت اللہ شریف کا جہاز اور رکن بنانی و ناکوہ



میرزا اب رحمت، بیت اللہ شریف کی محبت سے

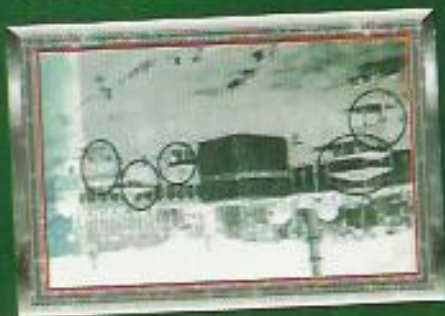
ہر سال کا پانی اس سے شہر کی سیرت کرتا ہے



بیت اللہ شریف کا جہاز اور رکن بنانی و ناکوہ

پہلے پہل سے ہی یہاں پر
 ایک ہی طرح کی زندگی تھی

یہاں پر پہلے سے ہی ایک ہی
 طرح کی زندگی تھی



یہاں پر پہلے سے ہی ایک ہی
 طرح کی زندگی تھی

یہاں پر پہلے سے ہی ایک ہی
 طرح کی زندگی تھی



یہاں پر پہلے سے ہی ایک ہی
 طرح کی زندگی تھی

یہاں پر پہلے سے ہی ایک ہی
 طرح کی زندگی تھی



یہاں پر پہلے سے ہی ایک ہی
 طرح کی زندگی تھی

